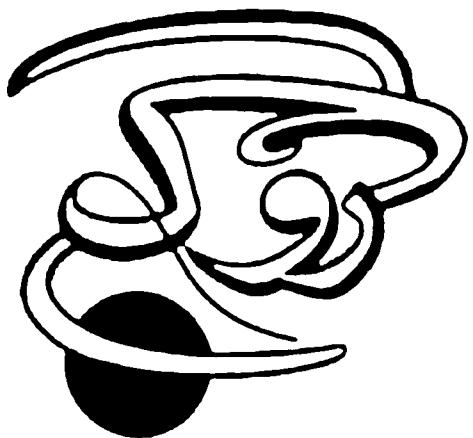


فائزہ افتخار



شام کو جب اسے مایوں بھایا گیا تو کتنی رونق تھی
سیال۔ چھوٹا سالان بھرا پڑا تھا۔ لڑکے والوں کے ہاں
سے میلاد اور مایوں کی سانہ سی گھر پیو تقریب میں
شرکت کے لئے صرف چار خواتین آئی تھیں۔ لڑکے
کی والدہ چھوٹی۔ بن جوشادی شدہ تھی، ایک پھوپھی
اور ایک خالہ، ان کے باقی رشتہ داروں سے شروں میں
ریتے تھے ان کی شمولیت بعد کے فنکشنز میں ہونا
تھی۔

دہل سے صرف چار عورتوں کے آنے کے باوجود
رونق خوب تھی۔ اس کی بہنیں اپنی نندوں، دیواریں اور

آج ہی میں بتی تھے سجائے گئے تھے
سارا اصر جگر جگر کر رہا تھا۔

لہ رات کے اس پرسہ اس آخری پرسہ جب باقی
سب تھک ہار کے جہاں جگہ ملی وباں سوچ کے تھے، اکملی
نیرس پر کھڑی اپنے گھر کے چھوٹے سے لان میں
جھانک رہی تھی۔

آج ہی اسے مایوں بھایا گیا تھا۔ ان کے ہاں شادی
سے ہفتہ بھر پہلے یہی مایوں بھماری نے کاروان ج تھا۔ دن
میں مخفی میلاد تھی۔ تقریباً ”سب ہی عزیز دا قارب
موجد تھے“

تاولِ ط



حیں پہن۔

وہ اپنے وجود سے پھونٹے والی ابھن اور مندی کی
زوال آن پھولی مرک سے بھی بے نیاز تھی۔
ٹھنڈی جالی سے نیک لگائے وہ نیرس کے پار
نجانے کیا تو ہونڈ رہی تھی۔
اماللی، میری نیندیں بھاگیں
بھٹ سے کوسوں دور

اماللی، میرے پہنے نوٹے
چھٹی ہی سنے پھانس
اماں نیں میں پاس سے تڑپی
مل دریا کے نیچے
اماللی، میری نہ کوئی
ہاری کر کر من رکھتی
اماللی، میری رشتی ڈبی
عین کنارے پاس
اماللی، میرے اندر بادل
بارش روکے کون
اماللی، میں نے چاند چرا جایا
جیون ہوا ندھیر
اماللی۔۔۔

”سورا!“ ای کی آواز نے اسے چونکا رہا۔

”اتنی گگر ٹھنڈا (خ سردی) میں تو یہاں کیوں کھڑی
ہے اور وہ بھی اس وقت سحری ہونے والی ہے اب تو۔
نہ کوئی سویٹر نہ جراہیں، بلکہ ہی شال لے کر کھلنے سر
کھڑی ہے کچھ عقل بھی ہے یا نہیں۔ سرسوں کا
تیل بھی لگا ہوا ہے سر میں۔ پتہ بھی ہے کہ رات کو تیل
بالوں میں لگا رہے تو کچھے نزلہ ہو جاتا ہے۔ اب سرنیں
دوہو سکتی تو اسے ڈھانپ کے تور کہ سکتی ہے۔“

اس نے گردن موڑ کے دیکھا دوہ بس ترکی چادر بدلتے
ہوئے ساتھ ساتھ اسے لکھر دے رہی تھیں۔

”بچھی رہنے دیں کیسے اسے کیا ہے؟“ وہ
بے زاری سے بولی۔ شاید اسے اپنی تھائی میں یہ مداخلت
اچھی نہیں تھی تھی۔

اور جھٹاپیوں سمیت موجود تھیں۔ خاندان کی
چھیسوں، ممائنیوں، خلالوں کے ساتھ ساتھ درجن بھر
نواری اور آدھ دیر جن شادی شدہ کرنسی بھی بال پھوں
کے ساتھ موجود تھیں۔ خود اس کی دوستیاں بے حد
محدود تھیں۔ ای نے تو کہا تھا کہ وہ اس موقع پر جتنی
دوستیوں کو چاہے مدعو کر سکتی ہے لیکن وہ سوچ میں
پڑ گئی تھی۔

جان پہچان اور اچھی بات چیت تو کلاس کی سبھی
لڑکیوں سے تھی۔ مگر خاص دوستی بینش کے علاوہ کسی
سے نہ ہو پائی تھی۔ اس میں بھی زیادہ ہاتھ بینش کا تھا
جب سے کافی چھوٹا تھا اس نے بہت سی کلاس فیلوز
کے نمبرز موجود ہونے کے باوجود انہی سے رابطہ کرتا
ضروری نہ سمجھا تھا۔ یہ بینش، ہی تھی جو دوسرے
تیرے دن فون بھی کر لیا کرتی۔ اور میں میں ایک
آدھ چکر بھی لگا لیتی، ورنہ وہ ہوتی اور اس کا کرہ گھر کے
گھنے پنے کام جو اس کے ذمے تھے، انہیں وہ خاموشی
سے نماثلتی اور کرہ بند کر کے رسالوں، ڈاگشنوں کی دنیا
میں گم ہو جاتی۔ بینش کی وجہ سے کبھی کبھارا سے اپنے
خول سے باہر آنے کا موقع ملتا تھا۔ اسی لیے امی کو بینش
کا آنا اچھا لگتا تھا۔ ابھی بھی اس کی شادی کی تاریخ
ٹھہر تے، ہی انہوں نے بینش سے بھدا اصرار کہا تھا کہ وہ
شادی سے کچھ دن پہلے ہی ان کے ہاں آجائے۔ تو آج
سے وہ اپنے کپڑے وغیروں لے کر آچکی تھی۔ ڈھولک
کے بعد چائے پی کر بجائے تازہ دم ہونے کے بعد سب
ہی لڑکیاں ادھر ادھر لڑھک کر سوچکی تھیں۔ ایک یہ، ہی
بھی جو ای اور باجی کے ساتھ پھیلاوا اسمیٹ رہی تھی۔
جھوٹے برتن، شکن کی مٹھائی، میوے اور ابھن کے
تحال۔ خالی یوں تھیں وغیرہ۔

اس کی نظریں اب تک لان کے درختوں سے لٹکتے
اور بیرونی دیوار اور گیٹ کے ساتھ ساتھ لگے
لرزخوں بھورتتے رہنیں پڑتے۔ لرنگوں پر جنمی تھیں لے لائیں
کے باوجود اس کی آنکھوں میں نہ تو انہوں نہ شنیوں کا کوئی
رکھنے تھا، ہی آئکے والے دنوں کے حوالے لے کر لے کوئی

کاساتھ نہ دے یا تی تھی پھر بھی اس کی دلچسپی باولوں کو انجوائے ضرور کیا گرتی۔

آج وہ بینش کا تو کیا اپنا سلیہ بھی برداشت نہیں کریا رہی تھی۔ وہ اکٹے رہتا چاہتی تھی۔ اتنی اکملی کہ اس کی کوئی سوچ، کوئی یاد تک اس کے آس پاس نہ بھٹکے۔

”کیا سوچ رہے ہو دو دن کے مہماں؟“ بینش کی شوخ آواز نے اس کی آمد کا اعلان کیا۔

مکرہ سخ بد لے بغیر دیوار کی جانب کروٹ لیے لیٹھی رہی۔

”میرے خوابوں میں جو آئے آکے مجھے چھیڑ جائے

اس سے کوئی میری نیند نہ چرانے“
بینش نے چائے کے کپ پہ چھپے، بجا کے اپنی شرپ آواز میں گیت چھیڑا اور سوریا میں بے زاری عربیج پہنچ گئی۔

”کیسا ہے کون ہے وہ جانے کمال ہے۔

”پتہ نہیں کس کے بد تمیز بچے بستے پہنچ کر کھانا کھارہے تھے۔ کل میں نے نئی ٹکنیک مکور بچھائی تھی کہ تیرے کرے میں لوگوں کا آنا جانا لگا رہے گا اور یہ دیکھ سالن گرا دیا سے کسی نہ۔“ انہوں نے لپک جھپک دوسری ٹکرے رنگوں والی دھاری دار بیڈ شیٹ بچھادی اور وہ ہلکی گلائی اور سفید چادر گول مول کر کے بغل میں دبای۔ ان کے ہاتھوں میں اب ایک ٹڑے تھی جس میں سوریا کے کرے میں ادھر ادھر پھیلے گلاس گپ اور پلٹیں رکھی تھیں۔

”گرل بند کر کے اندر آجائے سارا برآمدہ ٹھار (ٹھنڈا) دیا ہے تو نے نیچے ہال میں تو ہیئتک لگا ہوا ہے اور تو ہے کہ رات کے ساڑھے تین بجے کھڑکیاں دروازے کھول کے بغیر گرم کپڑوں کے کھڑی ہے۔ ٹھنڈا لگ گئی تو مصیبت۔ شادی میں دن کتنے رہ گئے ہیں۔ دو دن بعد تیری مہندی ہے اور سب سے بڑی بات، ماں کے بعد ویسے بھی نیچے سر کھلنے آسمان کے نیچے آنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ ہوائی چیزوں کا سایہ ہو جاتا ہے۔“

وہ اپنی عادت کے مطابق ڈھیروں کے حساب سے نیچتیں کرتی رہیں اور وہ اپنی عادت کے مطابق سر ہلاتی رہی۔

”بینش کو میں نے کہا ہے تیرے لیے چائے بنارہی ہے۔ میں ساتھ میں کاجو، پستہ بھیجتی ہوں۔ تیرے سرال والوں نے بڑے عمدہ میوے بھیجے ہیں۔ سارے واہ واہ کر رہے ہیں۔“ جاتے جاتے انہوں نے مزید کہا۔

نہ تو سرال والوں کے نام پہ سوریا کا رنگ گلائی ہوا، نہ دو دن بعد ہونے والی مہندی کے تذکرے نے اس کی دھڑکنیں تیز کیں۔ وہ یوں کی تھیں پہنچتی رہی۔ اکے آئے پہنچ کرے میں بینش کی مตھوچ موجو دگی پہ بھی، الیکٹریشن محسوس ہو رہی تھی جالانکی بینش کی محبت اور خلوص پہنچتی رہی کوئی شہر نہیں تھا۔ وہ اگرچہ مراجا اس سے مختلف تھی اور سب سے شکر اس کی شوچپول میں اس

ادارہ خواتین ڈائجسٹ

کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت تخفیف

خواتین کا گھر لو اسلامیہ کلوب پریڈیا

شائع یہو گیا ہے۔

خوبصورت ورقہ، آفت چھپاٹ، مضبوط جلد،

قیمت 450 روپے

پاہ ذمیت سے منزدیر ہے۔

• مکتبہ عمران ڈائجسٹ، اردو بازار کرامپور

• احمد نیوز ایجننسی، فریڈریکسٹ کرامپور

• سلطان نیوز ایجننسی، افتاب مارکیٹ لاہور

• اشرف بک ایجننسی راولپنڈی • مہمن نیوز ایجننسی جید آباد

بلڈ میڈیا ڈاک مکانے مکتبہ عمران ڈائجسٹ راپٹ 37 اردو بازار

• ساپت مکتبہ عمران ڈائجسٹ راپٹ

جس کے لیے میرے ہوتوں پہاں ہے
اپنا ہے یا بگانہ ہے وہ
وحجہ ہے یا کوئی افسانہ ہے وہ۔
”بینش پلینیٹ پلیز خاموش ہو جاؤ۔“

اس کی آواز میں غصہ نہیں تھا۔ ایک عجیب طرح
کی بے بسی تھی۔ جسے بینش نے محسوس کیا تو اس کے
عکنٹاتے لب خاموش ہو گئے۔

”مسئلہ کیا ہے سوریا! تم صح سے عجیب طرح سے
ری ایکٹ کر رہی ہو۔ اس قدر چڑھڑی ہو رہی ہو۔ کسی
سے بھی ڈھنگ سے بات کر رہی ہونہ ہی منہ کے
زاویے درست ہو رہے ہیں۔ گھر مہمانوں سے بھرا رہا
ہے تمہیں کچھ احساس ہے کہ تمہارا یہ روایہ لوگوں کو
سو باتیں بنانے کا موقع دے سکتا ہے۔ ابھی آئی بھی
یہی خدشہ ظاہر کر رہی تھیں۔“

”امی تو بس سے“ سوریا نے سر جھنکا۔ ”کوئی نہیں
باتیں بناتا۔ سب مجھے عرصے سے جانتے ہیں اور سب
ہی کوپتا ہے کہ میں ایسی ہی ہوں۔“

”ہاں ہاں پتہ ہے سب کو۔ اور مجھے بھی اچھی
طرح پتہ ہے کہ آپ جناب بڑی سنجیدہ خاتون اور مدیر
لیلی ہیں۔ فضول کی کھنی کھنی اور بے کار کا ہنسی ٹھٹھمول
آپ تو پسند نہیں۔ زیادہ ٹھلنے ملنے اور بے تکلف
ہونے کی آپ بخادی نہیں۔ بلا وجہ مسکراانا بغير کسی بڑی
بات کے خوش نظر آتی ہے سب آپ کے نزدیک اسراف
کے زمرے میں آتے ہے۔ لیکن محترمہ سوریا عبد صاحبہ!
سنجیدہ اور آدم پیزار ہونے میں اور رنجیدہ و ملعول ہونے
میں بہت فرق ہے۔ زیادہ منہ لٹکا کے بیٹھو گی تو سب یہی
بھیس گئے کہ یہ شادی تمہاری مرضی کے خلاف
ہو رہی ہے اور ضرور تم کسی دوسرے لڑکے کے چکر
میں ہو۔“

”بکواس مت کرو۔“

”حق کہہ رہی ہو لیا، آئندہ سکھ خدشے بالکلی درست
ہیں۔ کسی کو بھی شک ہو سکتا ہے۔ وہ تو آئی ہاں ہونے
کے نہستہ اور میں لا سمت کو نہستہ کے ناتھے تھمہیں اچھی
طرح جانتے ہیں کہ تم اور کچھ بھی کر سکتی ہو حقی کہ کسی
درزل کے نہستہ پر اس کو کوئی کر رکھا۔“

کو قتل تک کر سکتی ہو مگر کسی سے محبت نہیں۔
ورنہ یہ جو ساڑھے بارہ تمہاری شکل پہ بچے ہوئے ہیں
یہ کسی کو بھی شک میں ڈال سکتے ہیں۔“

”تو کیا کروں میں؟“ وہ بے چارگی سے کہہ انہیں۔
”سوریا۔“ شک سے خلک ترین مزان والی لڑکی
کے خوابوں میں بھی ان دونوں بمار آجائی ہے۔ کیا راقی
تمہارے ساتھ ایسا کچھ نہیں ہوتا؟“ وہ حیران سے
پوچھنے لگی۔

”یا پھر تم بتی ہوئے؟ یا۔۔۔ یا خواب دیکھنے سے
کتراتی ہو، یقیناً ایسا ہی ہو گا۔ کم کر ان
یا۔۔۔ سوچو۔ سوچو کیا ہو گا وہ؟ کیا نظر آتا ہو گا۔ اس
کی عادتیں کیسی ہوں گی؟“ بینش نے اس کے اندر
اشتیاق جگانا چاہا۔

”میرے سوچنے سے کیا ہوتا ہے، وہ جیسا ہے وہاں
ہی ہو گا۔ جیسی عادتیں اللہ نے اس کی بناتی ہیں لیکن
ہوں گی۔“

”تو بہ کتنی بور ہو تھے۔“ اس نے برا سامنہ بنا یا۔
”میری دوستوں میں تم پہلی ہو۔ جس کی شادی
ہو رہی ہے۔ مگر ذرا مزہ نہیں آ رہا۔ نہ کوئی شوخی
شرارت۔ نہ کھنی میکھنی باشی سنه کوئی رنگیں
خوابوں کا ذکر بڑی، ہی ”بلیک اینڈ وائٹ“ سوچ ہے
تمہاری۔ اور تو اور تصویر تک دیکھنے سے انکار کر دیا۔
بھلا کیا جاتا دیکھنے میں۔ وہ لوگ خود دے کر گئے تھے
نا! آج کل تو شادی سے پہلے لڑکا لڑکی کی بات تھیں
ملاقاتیں تک کرائی جاتی ہیں، چاہے شادی ارنج ہی
کیوں نہ ہو۔ ایک دوسرے کو شادی سے پہلے جان
لینے میں اور اچھی طرح سمجھ لینے میں کوئی براں
نہیں۔“

”ضروری نہیں۔“ سوریا نے اختلاف کیا۔
”کبھی بھی ہلے سے کچھ جان لیتا کسی کے حق میں
برا بھی ثابت ہو سکتا ہے۔“

”کیا مطلب؟ میں سمجھی نہیں۔“

”ساری رات جانے کے بعد انسان کو کوئی بات دیر
سے ہی سمجھ میں آتی ہے۔ سوجا و اب اور مجھے بھی

ہونے والا۔"

اس نے گفتگو سمیٹتے ہوئے لینٹے کی تیاری کی اور اس سے پہلے کہ بینش کوئی اور سوال کرتی اس نے کمبل منہ تک تان لیا۔



روپر کا ایک سبج رہا تھا۔

ذکیہ کو صبح مانگا منڈی جانا رہا تھا۔ جہاں اس کی ایک قریبی سیلی کی ساس کا چالیسوائیں تھا۔ اسکی تمنی ہی قریبی اور کمی بیلیاں تھیں ذکیہ کی جن سے اس کی ساس ناواقف تھی۔ کچھ تو یہیں بوریوالہ کی رہنے والی تھیں، ان کے ہاں بھی آنا جانا لگا رہتا۔ یا ان میں سے کوئی نہ کوئی آئی رہتی۔ ایسا نہ ہو تا تو زادت برادری میں کوئی کمر ملنا ملانا تو نہیں تھا ذکیہ کا، وہ گھومنے پھرنسے کی شوقیں تھیں۔ سو گھر پہ تک کے اس سے بیخنا نہ جاتا۔ کیا سرال ہکیا میکھسے کیا محلے داری ہکیا وہ تھی۔ ہر جگہ اس نے تعلقات بنانے کے رکھے تھے دوسرے کے اور دوسرے شروں دیہاتوں کے رہنے والوں کی خوبی غنی میں بھی لازماً شریک ہوتی۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس کا شوہر عابد چودھری کویت میں تھا۔ سات آٹھ سال، ہو گئے تھے، اسے ملک سے باہر کئے ہوئے۔ سب سے چھوٹی والی بیلی ابھی گود میں تھی جب عابد کا دیرزا لگا۔ تب سے اب تک کویت کے دیوار آرے تھے۔ اس نے پلٹ کے پاکستانی کی جانب نہیں دیکھا تھا۔ گھر میں بیٹی خوشحالی آئی تھی۔ مرد کی جانب سے پابندی نہ تھی۔ بچوں کی ذمۃ داری بھی خاص نہ تھی، بوڑھی ساس رکھو والی کے لیے موجود تھی۔ اس نے تنائی سے فرار کا اور دل بھلانے رکھنے کا یہی طریقہ اختیار کیا۔ دیے بھی جب اچانک پیرس آجائے تو اپنے سے کم حیثیت والے رشتے داروں کے ہاں جا کر ملنے میں الگ ہی لطف آتا ہے۔ اپنے قیمتی لباس اور زیور دکھانے کا لطفیست آؤ بھگت کروانے کا لطفیست ذکیہ میں غور ریا اکر دنیں تھا۔ ہاں وہ زرا خوشامد پسند اور دکھاوے والی ضرور تھی۔ اس نے غریب عزیزوں سے ملنا بھی ترک نہیں کیا تھا، بلکہ ان کے ہاں جاتے ہوئے کبھی پھل، کبھی مشھائی اپنے بچوں کی پرانی اترن لے جانا، یہ سب اس کی نمائشی فطرت کو تسلیم رہتا تھا۔

چار بچے تھے، تین بیٹیاں اور ایک بیٹافرخ، جو دون چڑھے سو کرتے اٹھا تھا جب اس کی ماں کو گھر سے نکلے آدھا گھنٹہ ہو چکا تھا۔ بازار سے حلوا پوری کا ناشتہ کر کے آنے کے بعد وہ اس وقت چھت پہ چڑھا پنگ

بھملے گھروں میں اس وقت بیان کام کاج سے فارغ ہو کے بچوں کے لیے روٹیاں توے پہ ڈال رہی ہوتی ہیں جن کے اسکولوں سے آنے کا وقت ہوتا ہے۔ لیکن یہ گھر، ان گھروں میں سے تھا جہاں نہ تو کھانے ملنے کے کوئی وقت اور اصول مقرر تھے، نہ صفائی ستھرائی کے

اس گھر کی سب سے بزرگ ہستی دادی تھیں جو صحن میں رکھی چار پائی ہے۔ بیٹھی گند بیان چوس رہی تھیں۔ نیچے اینٹوں کے فرش پہ پھوک کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ جن میں پیاز، لسن اور آلودہ مٹر کے حلقے بھی شامل تھے۔ چار پائی کے بڑے سے رنگیں پائے کے نزدیک نہیں ہیں۔ تابے کا بڑا سا گلاس لڑھا ہوا تھا۔ جس میں سے بالی پیچی ہوئی لسی نہیں میں جذب ضرور ہو گئی تھی لیکن ایتنی جگہ یہ اور گلاس کے کناروں پہ گھیاں بھینہنا رہی تھیں۔ کھلے آنکن میں صرف یہی ایک چار پائی نہیں تھی بلکہ تین چار اور چار پائیاں بھی تھیں۔ کرمی کا موسم تھا۔ لندادوہ کھلے صحن میں پیدا شیل فین لگا کے چار پائیوں پہ سوئے ہوئے تھے۔ عموماً ذکیہ کے چینے چلانے پہ آٹھ نوبجے تک حمیرا بربے برے منہ بناتی اٹھتی اور بستر تھہ کر کے چار پائیاں برآمدے میں کھڑی کر دیا کرتی یا پھر دس ساڑھے دس بچے صفائی والی ماں پیٹاں آکے یہ فریبندہ انجام دیتی۔ مگر آج نہ تو ذکیہ کھرپہ نہیں نہ، ہی ویٹاں ابھی تک بولی تھی اس لیے روپر ایک بچے تک چار پائیاں بھی پڑی رہیں اور ان کو پھرے بستر پر بھی نہیں۔ ذکیہ سے چاہنے سے پہنچنے سے اپنی ہا چار پائی پیچے بیٹھ کے جو ناشتہ کیا تھا اس کے برمن تک جوں کے توں پڑے تھے، تکبیں مکبوسوں کا آئندہ خوں ان کپہ زخمی دعوہ بہشداراً اور رہا تھا۔

نمیں بنا یا تھا۔ وہ نام کرنے والی افریکی انڈیا کے ساتھ میر
انی سیمیوں کے بہل چلی جاتی۔ اور وہ شرٹ رٹ کا
پروگرام ہوتا تو انہیں چھوڑ کر واپس آتی۔ آن جسی
حیرا کا نہ ہونے کے ساتھ یا زار بجے ہار پروگرام بنا تھا اور
وہ بہل اب تک آئی تھی اس سے۔ اس سے
دوسرے کے ایک بیکے تک صفائی ہابانی ہے جسیں یہاں دوسرے
پڑا تھا۔

ہر جانب سمجھناتی تھیں باہر۔ تین ہوڑے ہوں
سے پنج ہو لئے تھیں اور سختی پڑتیں۔ جسے
برستوں کا ذہن یہ سب دیکھ دیکھ دیا تو ہمارے
تحا۔ سب سے بڑھ کے بھوک بہابھیں ہے
”وے فرخا۔“ دادی نے مردی اور پتی کے
اسنے پھیپھڑوں کا پورا نور لگا کے پڑتے، باز بنتے
کی ٹوٹش کی۔ لیکن اور یعنی ”نو دتا“ کے بعد ہمارے
اس کی ہاتھوں آواز کہاں پہنچ گئی تھی۔
”کوہ کندھا نہیں بچتا اس صورت کا۔“ غصہ ہرے
پیش گوئی کی۔

”بیچارہ پر دلیں میں منزوں رہاں کر کر کے اپنے سو:
مشینوں میں ڈال کے اٹھیں بھی بھی رقصیں بھیجتا ہے۔
اور ادھرنہ گھروالی کو قدر ہے نہ اولاد کو پروا، آؤے کا تو
بکرا ہوا ہے۔“

دن میں تین چار بارہ اسی طرح دل کی بھرتیں نکل
لیا کرتی تھی۔ چاہے کوئی سنند والا بوس نہیں۔

”ذکیہ نامزاد کو تو سیر پانوں سے فرست نہیں۔ حیر
کو بھی اسی کام کا گاریب ہے تو شکر ادا کر دیکھو بھی کافی
آنکھوں دیکھی تھیں نکل رہی ہے۔ میری بیٹی سے نا،
مل کے کہنے پر اور بھائی کی محبت میں اس کی لڑکی
ماہنگ بیٹھی ہے۔ جس کا نہ منہ نہ تھا۔ اور نہ کوئی مر
داری نہ سلیقہ تھی بیٹی کرا کے سل پنا
(دوستیاں) کروالوں۔ جیسی مل دی بیٹی۔ اڑکا بے تو
وہ اک نمبر کا انہرا (ارٹل) الف کا بے نہیں پر بعد
سر کیس نہیں پتوں میں کئے اور باب کی مکمل اجازت نے
کے علاوہ کوئی کام نہیں۔ بزاروں روپیہ بھیجا ہے اور
ایسا بد نفیب گھر ہے جس کے چولے نہ ٹھنڈے پڑے

بازی کا شوق پورا کر رہا تھا۔ میں بھائیوں میں اس کا نمبر
دوسرा تھا۔ پندرہ سال کا تھا مگر کافی مخفوط اور انھوں
اچھی تھی۔ خوش خوار ایک اور بے فکری نے اچھی
صحت عطا کی تھی۔ آس پاس کے رہنے والے اپنی عمر
کے لذکوں کے مقابلے میں وہ خاصا بڑا لگتا تھا۔ میزان کا
تیز تھا۔ اکلوتا ہونے کی وجہ سے میں کامنہ چڑھا بھی
تھا۔ جس عمر میں بچوں کو ماں کے لاذ کے ساتھ ساتھ
باپ کی تھی اور سرپرستی کی بھی ضرورت ہوتی ہے اس
عمر میں باپ پسے کمانے کے لئے اولاد کو ماں کے حوالے
کر گیا۔ اور ماں کو جب بھی سفارتی دوریوں سے فرصت
لمتی، بے بناہ لاذ پار کے ذریعے کسرا پوری کر لیتی۔ اسی
وجہ سے آٹھویں کے بعد جب اس نے اسکول جانے
سے انکار کر دیا تو ماں تھی نہ کر سکی۔ دیے بھی آٹھویں
میں اس نے تین سال تولگا ہی دیئے تھے۔ اب ایک
سال سے وہ گھر میں آدھا دن سو کریا پنگ بازی کر کے
گزارتا اور باقی کارن گھر سے باہر دوستوں کے ساتھ
گھوم پھر کے۔

اس سے ڈڑھ سال بڑی حیرا تھی۔ بڑی ہونے
کے ناتے وہ بھی گھر کے ہر معاملے میں ذکر کی میں
تھی۔ ماں کی طرح اسے بھی دوستیاں مکانتھنے کا خاصا
شوک تھا۔ ذکریہ کے گھر سے نکلنے کے بعد اس نے نائیتے
کے جھوٹے برتن دھونے یا صحن میں جھاڑو لگانے،
بستروں کو تھہ لگانے والی کسی مدد ایت پر عمل نہیں کیا جو
ذکریہ جاتے ہوئے سرسری طور پر کر لئی تھی۔ فرخ نائیتے کرنے
جھوڑے حلواۓ یا کی دلکان پر جا چکا تھا، اسے بازاری
کھانے کی چاٹ تھی۔ دادی کو اس نے ماں کے ساتھ
ہی نمائادیا تھا۔ منہ ہاتھ دھو کے اس نے رنگ گورا
کرنے والی کریم اپنے سانوں لے چرے، نیالی گردن اور
زرم ہاتھوں پر جی بھر کے تھوپی، پچھلی عید پر سلوایا گیا
خارجت کا میرون سوٹ پہنات اسی گلر کی لنب اپنک
لکھائی۔ پنسل والے کابل سے آنکھوں کو کنار آکیا اور
ادبی دل والی سینڈل پہننے سے کنار بیتل نیکے انتظار میں
بیٹھ گئی۔ اسے گھر سے اکٹے نکلنے کی اجازت نہیں تھی
لیکن اس نے اسی وجہی سی پابندی کو بھی کپنا کر دیا۔

رہتے ہیں۔ چولنا جلانے والے ہاتھوں کو اور بہترے کام رہنے ہیں۔ مال کی ہر وقت سفر کے لیے تکش کنی رہتی ہے، بیٹی کے بازاروں کے چکر ختم نہیں ہوتے۔ بوڑھی دادی بھوکی پڑی ہے مسح کی ہے کوئی روشنی پوچھنے والا۔؟“

اس نے دیاں دی۔ اتنے میں دروازہ دھڑ سے کھلا اور سیرا اور بلی آگے پیچے گھر میں داخل ہوئے۔ لوئیفارم کی نیلی یعنی سفید شلواریں دھول مٹی سے الی تھیں۔ بھاری اسکوں بیگ کرپہ لادے ہوئے وہ ایک باتھ میں بجھے اور دسرے میں گولیاں، نافیاں دابے ہوئے تھیں۔ جتنی صبحوں اسکوں کے لیے نکلتیں اس وقت کوئی بھی ناشتہ بنانے پتے تیار نہ ہوتا۔ ذکیرہ نہ ہی حیرا، اس لیے ان دونوں کو اچھا خاصا جیب خرچ ملتا تھا۔ اسکوں میں چاٹ، ٹان پختے یا سموے کھانے کے علاوہ چھٹی کے بعد بھی وہ کوئی نہ کوئی اپنی سیدھی چیز ساتھ لے آتی۔ سیرا باہر سل کی تھی، چھٹی میں بڑھتی تھی اور سپے سے چھوٹی بلی تیسری جماعت میں تھی اور نوسال کی تھی۔

”ای۔؟“ دادی کو مارے باندھے سام کرنے کے بعد اس نے برآمدے میں جھانکا۔

”تیری ای اگے کبھی گھر ہوئی ہے جو آج ہوگی۔“ دادی نے جل کئے انداز میں کہا۔

”دادی۔ بھوک۔ بلی جو دادی کے پلوے چپک کے نیھی تھی، منہ ب سورتے ہوئے بولی۔“

”تو تو ہے ہی بھوک۔ ناپکوڑے بھی کھائے عنک سرج والے امرزو بھی۔ ابھی بھسہ لے کر دیا ہے۔“ سیرا نے زین پے بیگ پھینک دیا اور دونوں پیر اپس میں رکڑ کے جوئے اتارنے کی کوشش کرنے لگی۔

”کیا پکا ہے دادی؟“ بلی نے اس کی باتیں نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

”لکھجہ پکا ہے سیرا۔“ دادی نے اسے پرہبے ہٹایا۔

”بھوک میں لاذ بھی اپھنے نہ لگ رہے تھے۔“ رون، پکانے کے لیے پکانے والی کارہونا صروڑی ہے اور نتھیں تھیں بلکہ کام کو اٹلتا ہے گھر میں نہ بسن کا۔ پکانا

کس نے ہے؟“ ”تو دادی تم تو کھرہ ہو۔ تم پکالو یا اس عمر میں آکے پکانا بھی بھول کنی ہو۔“

سمیرا اپنی بڑی بہن اور بھائی کی طرح منہ پھٹ اور بد تیز تھی اس لیے تنک کے بولے۔

”مرے بے بدایتی۔“ دادی بللا اٹھی۔

”مجھے نہ نظر صحیح طرح آتا ہے، نہ بدھی بڑیاں گھیت کے چلا جاتا ہے۔ اب میں اس عمر میں کھوئے جتنی جوان لڑکوں کو پڑھے پکا کے دوں۔“

”نہ سی پڑھنے سو کھی رعلی ہی پکارو۔“ دادی کو پتا کے اسے برا مزہ آتا تھا۔

”اور ویسے بھی ابھی کل خالہ شریا کو تم کہہ رہی تھیں کہ تمہاری اتنی عمر نہیں جتنی عام طور پہ نانیوں دادیوں کی ہوتی ہے۔“

”تو بڑی کرن سویاں لٹکی ہے میری مال کی چمچی۔“ دادی نے چپل اٹھائی۔ ”ہال نہیں ہے میری عمر۔ تیری حل اپنے سے بدھی عورتوں سے برا ہے۔ تیری ”بُنی۔“ (سکمڑ) مال نے مجھے یخنیاں بنا بنا کے نہیں پلا گی۔ جتنی تیری زبان چلتی ہے، اتنے ہی ہاتھ پیریلا لے۔ تو کیوں نہیں پکالیتی۔ تیری عمر کی لڑکیاں ساری ہانڈی رعلی کرتی ہیں۔“

”کرتی ہوں گی۔ ساری لڑکیوں کے آبا کو بت نہیں ہوتے۔“ وہ اترائی۔ ذکیرہ نے بچوں کے داغ میں اچھی طرح یہ بات بھماری تھی کہ وہ اس محلے کے باقی لوگوں سے الگ ہیں۔ وہ تو کھریں کوئی جوان مرد نہ ہونے کی وجہ سے اس کے شوہرنے یہ آکید کی ہوئی تھی کہ وہ اس پرانے محلے کونہ چھوڑیں، جہاں پرانی جان پہچان ہے۔ ورنہ وہ گھر میں معقول پیسے بھجوانے کے علاوہ بینک میں بھی برابر رقم جمع کر آتا رہتا تھا۔ ماکہ وطن واپس لوٹنے پر اچھا سام کاں کی بڑے شر میں لے کے اور نیا کار و بار بھی شروع کر سکے۔ اس کے بچوں نے ابھی سے خود کو یوریوالہ کا سمجھتا چھوڑ دیا تھا۔

”رعلی پکاتی ہے میری جو تی۔ بلی! جا بشیرے کے ہوٹل سے دو قیسے والے نہ پکڑ ل۔ کہنا؟ ای شام کو پیسے

بکرے گی۔

"نا مراد" بے دیدے دادی یاد نہیں؟ اس کے ماتھے پینت نہیں لگا ہوا؟" "چلو، دادی! کیا یاد کرو گی۔ ایک نان تمہارا بھی منگوال لئے ہیں۔"

"تو کون سا احسان کر رہی ہے جو ایسے جتارہی ہے تیری تو پھینٹی لگانی پڑے گی اب، گھری گھری میرے منہ کو آتی ہے۔" "چل انہوں نا، قیمے والے نان کا سن کر اب مجھے بھی بھوک لگ رہی ہے۔" سیرانے بلی کا ہاتھ پکڑ کے کھینچا۔

"میں نے نہیں جانا۔ میں تھکی ہوئی ہوں۔ بیشے کے ہوٹل پر رش بھی بڑا ہوتا ہے۔ اتنی دری سے باری آتی ہے۔"

"اے رہنے والے سیرا! اس وقت ہوٹل پر جولفنگا ہوتا ہے، وہ جمع ہوتا ہے۔ فرخ سے کہہ وہ لاوے۔" "ملودادی کی بات سنو۔" سیرانے کھینچ کھانچ کے آخر بلی کو کھڑا کر دیا۔

"فرخ بھائی تو امی کے کہنے پر کبھی نیچے نہ اتریں۔" میری بات کیا مانی ہے اس نے۔ چل بلی جلدی کر۔ بلی چھوٹی ہونے کی وجہ سے بھی سب سے دلتی تھی۔ اور کچھ فطرتاً بھی دلو تھی۔ مل نہ چاہنے کے باوجود کھڑی ہو گئی۔ اپنی خاموش طبیعت کی وجہ سے دادی کی چیتی بھی تھی۔ اب بھی دادی کو اس پر ترس آنے لگا۔

"او، زراسی بچی، ہر میں پیدل چل کر اسکول سے گھر آتی ہے اور مال کا سکھ نصیبوں میں ہے، نہ کیلیکائی روئی۔ اب پھر گلی گلی پھرے گی۔ پیٹ بھرنے کے لیے۔" وہ دری تک بڑبراتی رہی۔ بلی دس پندرہ منٹ بعد اخبار میں لدئے گرم گرم قیمے والے نان لے بھی آتی۔ سیرانے پہنچ لانے کی زحمت کیے بغیر اخبار میں سے ہی نوج نوج کر کھانا شروع کر دیا۔ دروازہ ھلنے کی آواز پر دادی نے سرا کھایا۔

رر رر لو آگئی تمہاری مسافر مان، اے بھی خوشبو آگئی۔

ہو گئی قیمے والے نان کی۔ مشہد میں بھی تو بھوکے نجک خاندانوں کی بہائی ہیں۔ النان کے لیے خوراکیں خرید کے لے جاتی ہے۔ الگ لگادی ہے مرد کے پیسوں کو۔"

دادی اس وقت اپنے منہ سے دنوں کام برق رفتاری سے لے رہی تھی۔ کھانے کا بھی اور طعنے دینے کا بھی۔ ذکیہ کے لیے شاید یہ معمول کی بات تھی۔ اس نے ساس کی باتوں کا جواب دنا تو درکنار انہے برآمانے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ وہ چادر اتار کے چار پالی پر چینکے کے بعد وہیں بیٹھ کے ہانپے گئی۔ اس نے ناگواری سے نہیں پڑی گندگی، برشوں اور بستروں کو دیکھا ضرور تھا، مگر ان کے بارے میں کسی سے باز پر س کرنا ضروری نہ تھا۔

"پیدل چل کے آ رہی ہے ماں گئے منڈی سے؟" دادی پھر طنزیہ بول۔

"اچھی بھلی سوریے گھر سے نکلی تھی۔ وہاں جاتے ہی بیٹ میں درد اور مروٹسے توبہ، برا حال ہے۔" وہ دہیں دراز ہو گئی اور چادر کے پلوے سے بندھا ہوا بُوہ نکلا۔ "بلی! جانکڑ کے گھوکھے سے سوڈے کی بوٹل لے آ۔"

"ای میں نے نہیں جانا۔" اس نے ٹھنک کے کھا۔

"میں ابھی ابھی باہر سے نان لے کے آتی ہوں۔" میرے سے نہیں جایا جاتا بار بار۔"

"ناتا تو تیرے باپ نے دس دس نوکر رکھ کے دیئے ہوئے ہیں مجھے۔" بیٹ کے درد سے وہ پسلے ہی

بے حال تھی۔ بلی کے انکار نے اسے تیخا کر دیا۔

"وہ دس کیا پاہر نوکر بھی رکھ دے تب بھی اس گھر کا کچھ نہیں ہونے والا۔" بیٹ پوچھا کے بعد دادی میں اور دمترخم آگیا تھا۔ "نوکروں پر راج کرنے والیوں کے بھی کوئی ملن ہوتے ہیں۔"

"ماں! میں اپنی بیٹی سے بات کر رہی ہوں۔" ذکیہ سے کتنی ہی ست اور لاپروا ہو۔ ساس سے بد کلامی سے پہیز کیا کرتی۔

بھی کیا کرے، مال جو کرے گی اس نے وہی رکھنا ہے
اور وہی سیکھنا ہے۔ ”

”اچھا اماں! بس کرو۔ مان لیا میں نے۔ میں بڑی
نکمی ہوں۔ اب بس کرو۔“ پیٹ کے ساتھ ساتھ
اب سر میں بھی درد ہونے لگا تھا۔

”نکمی بھی تو نہیں، اب ہو گئی ہے۔“ دادی کا
والیم اچانک کم ہوا۔ اسے شاید شادی کے ابتدائی
سالوں والی ذکر یہ یاد آگئی تھی۔ تب وہ خاصی سکھر ہوا
کرتی تھی۔ اب غالباً شوہر کی غیر موجودگی اور روپے
پیسے کی فراوانی نے لاپروا کر دیا تھا۔

”اب بھی وقت ہے، عقل کر، پیسے کا کیا ہے انی
جانی چیز ہے آج ہے تو فائدہ اٹھا۔ جوڑ کے رکھ۔
کھانے پینے، کھنے دینے اور کپڑے لیرے بٹانے میں
ضائع نہ کر۔ یہ گھردیکھ، اس محلے کے باقی گھروں سے
الگ نظر نہیں آتا۔ وافر کمالی کا کوئی اثر نہ کھڑے نظر نہیں
آتا۔ گھر میں گھروالی کا دل لگے تو اس کو گھربنا نہ
سجائے کاشوق بھی ہو۔ یہ تو شکر کر، بانوبے شک تیری
ند ہے، لیکن پھر بھی نندنا نہیں دکھایا۔ نہ تیری
لارواں دیکھیں نہ تیری بیٹی کے سیر پاٹے، اپنے
لاق فائق بیٹے کے لیے مانگ لیا حمیرا کو۔“

”بڑا احسان ہے اماں! مرتبہ تک نہیں بھولوں
گے۔“ ضبط کرتے گرتے بھی ذکر یہ کی آواز بھرا گئی۔ بلی
سے دیکھانہ گیا۔ یہ بحث اس کے باہر جانے سے انکار
ہے ہی شروع ہوئی تھی۔ اسی لیے اس نے اس بحث کو
تقطیم کرنے کا سوچا۔

”لا اوامی! پیسے دو، میں بوتل لادوں۔“

اسے دروازے سے نکلا دیکھ کے دادی ایکبار پھر
بڑیر بڑے بغیر نہ رہ سکی۔

”ہاں، اب اسے بھی رستہ دکھاؤ باہر کا۔ کوئی کسر نہ
رہے۔“

”وہ جمل شبابش بیلی! جلدی کر، مسترد ہے۔“

”میں تھمی ہوئی ہوں، سیمرا سے کہو۔“

”ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے۔ اس نے ٹھیکہ لے رکھا
ہے صبح شام چکر لگانے کا۔“ دادی نے اپنی لاذیل پوتی کی
سائیڈلی۔

”اماں! سیمرا اب سیانی ہو گئی ہے۔ اس لیے اسے
دکانوں پہ نہیں بھیجنے۔“

”تو بیلی کے سیانے ہونے میں کتنا وقت ہے۔ اور وہ
جو سب سے بڑی ہے، جوان جہان۔ اسے ملن گھنٹے
ہو رہے ہیں گھر سے نکلے ہوئے کچھ اس کی بھی پروا
ہے یا نہیں۔“

”ریٹال ساتھ ہی ہو گی، گھر میں جو کوڑے کے ڈھیر
لگے ہیں اس سے ہی پتہ چل گیا تھا اس لیے فکر نہیں
ہوئی۔“

”ہاں دیتا تو جسے بڑی اعتماد والی بندی ہے نا، جس
کے ساتھ لڑکی کو بیچ کر بچتے فکر ہی نہیں ہو رہی۔ وہ
گھر گھر جھاڑو بوجھا کرنے والی ذات۔ اس کا کوئی
بھروسہ ہے بھلا،“ تھی تو حمیرا کا اس کے ساتھ لور لور پھرنا
پسند نہیں، بھائی کس لیے ہوتے ہیں۔ اپنے گھروں کی
لڑکیاں باب پھائی کے ساتھ باہر جاتی اچھی لگتی ہیں۔
اب اپنی بوتل کے لیے آواز دے نا اسے جو
بنھرے سے لگا رہتا ہے تھیں گھنٹے۔“

”ارے اماں! نہیں منکانی مجھے بوتل۔“ ذکر یہ نے
ہاتھ جوڑے۔

”یہ کہہ کہ اپنے شنزارے کو تکلیف نہیں دیتا
چاہتی۔ مانکہ اکلوتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ
اسے لاد میں برپا کر کے رکھ دیا جائے۔ میرا بھی اکلوتا
بیٹا ہے۔ پیار بھی کیا مجھ بیوہ عورت نے اور باب کی
طرح رعب بھی رکھا۔ بڑھام نہیں بنایا ورنہ آج
پر دیس میں دیہاڑیاں نہ لگا رہا ہوتا۔ یہیں بھی توڑ رہا
رہا، وہ تما تیر کے بیٹے کی طرح جسے پھر میں دیکھتی بیا۔ عیش و
آرام کھل سے آتے لڑکی ہے تو اس کا ناں مارڈا
ہے۔ ہے تو نہیں۔ بھائی نہ کھر دکاری۔ نکھانے کے اسے
بازاروں اور سیمبلوں کے گھروں کا رستہ دکھانا ہے۔“

رومی حصہ کے ہر انداز سے عجلت جھلک رہی تھی۔
صاف لگ رہا تھا وہ کہیں جانے کے ارادے سے

جلدی جلدی کامِ نمائش رہی ہے۔

”اے لیں سے“ اس نے مانتے پڑا توہن مارا۔ ”ایک تو یہ کارڈی، ہمیشہ ان دنوں وغادے جاتی ہے، جب اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر کالی لی ایک دم شوٹ کر گیا ہے اور ڈاکٹر نے کہا تھا اسکی حالت میں ان پر فانج کے دوسرے ایک کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ بٹ کئیر کی ضرورت ہے اب پتہ نہیں کہتنی دری ان کی طبیعت خراب رہے۔ میں تو ان کالی پپی ہائی ہونے پر فوراً اسپتال لے جاتی ہوں، فوری ٹرٹ منٹ کی وجہ سے پیر لاائز ہونے کا خطرہ ٹل جاتا ہے، اگر رات کو خوانخواست۔“

تیزی سے بیڑھیاں اترتے ہوئے بولے جاری ہی۔

”تم اتنا آگے تک کامت سوچا کرو۔ اور اگر سوچنا ہی پڑے تو کم از کم اچھا سوچو۔ ایسا کرو تم آج میری گھاڑی رکھ لیتا۔ میری طرح قابلِ اعتبار ہے۔“
”تمہیں پریشانی ہو گی۔“

”اگر تکلفاً کہہ رہی ہو تو لعنت ہے تمہاری سوچ پر۔ اور واقعاً میری پریشانی کا خیال ہے تو ڈونٹ دری۔ میں تمہاری طرح ان چار پیسوں پر مکمل انحصار نہیں کرتا۔ میری بایک کس دن کام آئے گی۔ اور کل تو یوں بھی آفٹے ہے۔“

رومیہ صہبہ ایک بار پھر گھر کا نمبر ملا کے منبعہ سے بات کر رہی تھی۔ ”اوکے، یہ اچھا ہے، تم پہنچو۔ میں آرہی ہوں۔ ہاں حق نواز بھی ساتھ ہے۔ پریشان مت ہوئے۔ تمہارے ہاتھ پیر پھولیں ھکے تو تمی کی طبیعت اور بگڑے گی۔ ان کی ساری فائلز ساتھ رکھ لیتا۔“

”راشت سے ٹن لے لیتا، ہم گھر نہیں،“ اسپتال جا رہے ہیں۔ ”اس نے سیل فون آٹ کرتے ہوئے کہا۔“

”سامنے والی آنٹی صفوراً اپنی کار میں مگی اور سفینہ کو اسپتال لے جا رہی ہیں وہ خود بھی ڈاکٹر ہیں۔ اس لیے فکر کی کوئی پیات نہیں۔“

”یہ بات نہیں اپنے آپ کو بتانا چاہیے، مجھے میں ہے۔“

حق نواز نے کچھ دیر تک اسے برق رفتاری سے کی بودا پہ انگلیاں چلاتے، سی ڈیز دراز میں رکھ کے لاک کرتے اور فائلز کی بنیٹ میں رکھتے رکھا۔ اب وہ اپنا سیل فون، اور چاہیاں وغیرہ اٹھا کے اپنے شولڈر بیگ میں رکھ رہی تھی۔ اس دوران بوجھلاہٹ میں کئی سی ڈیز ہاتھوں سے پھسل کر نیچے جا گری تھیں۔ جنہیں سینیتے ہوئے اس کے سامنے چڑے پہ جھنجلاہٹ پیدا ہو رہی تھی۔ فائلز رکھتے ہوئے بھی اس نے اپنی عادت کے مطابق ترتیب کا کوئی دھیان نہیں رکھا تھا۔ بلکہ الٹی سیدھی ڈھیر کر دی تھیں۔ حق نواز کے لیے یہ بڑی حیرت کی بات تھی۔ وہ اس وقت فون پر کسی سے بات کر رہا تھا اور کن اکھیوں سے گاہے بگاہے اس کی غلبت اور گھبراہٹ بھی دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی رومیہ صہبہ نے اپنا شولڈر بیگ اٹھایا، حق نواز نے دوسری جانب سے بات کرنے والے کوبات مکمل کرنے کا موقع دیے بغیر رہی جلدی سے ”اللہ حافظ“ کہتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

”نیکریت رومیہ صہبہ؟ کس کا فون تھا؟“
وہ سہ تو نوٹ کر رہی چکا تھا کہ اچھی بھلی انہماں سے کام کرتی ہوئی، وہ اچانک آنے والی ایک فون کاں سے ڈسٹرپ ہوئی تھی اور اس کے بعد، ہی اس نے افراتفری میں اپنا کام سمیٹا تھا۔

”گھر سے تھا، منبعہ کا۔“ وہ جواب دے کر تیزی سے مڑی اور پھر کچھ یاد آنے پہ پیشی۔ ایک بار پھر اس کے چڑے پر جھنجلاہٹ نمودار ہو گئی۔

”سر سے توبات کی، ہی نہیں۔ اور وہ ابھی مینگ میں بزی ہیں۔ حق نواز! تم میرے لیے ایک فیور کرو۔“
کر کے پلیز سر منظور سے کہہ دینا کہ میں گھر جا رہی ہوں۔ بھی کی طبیعت نہیں ہے۔“

”میں چلتا ہوں، تمہارے ساتھ۔“ حق نواز نے ایک دم ساتھ جاسنے کا فیصلہ کر لیا اور اٹھو کھڑا ہوا۔

”تم شاید بھول رہی ہو کہ تمہاری کھنار اور کشاپ میں ہے۔“

نمیں، تبھی منیعہ کو پریشان نہ ہونے کی تائید کردی۔
ہو، بھی مجھے فکر نہ کرنے کا کہہ رہی ہو۔ جب کہ
ہواپیاں تمہارے اپنے چہرے پر اڑ رہی ہیں۔ ”
”کیا کرو۔“ اس کی پلکیں بھیک نہیں۔ آزاد میں
بھی آنسوؤں کی نمیں گھل لئی گئی۔

”چار سال پسلے جب اسیں فانچ کا پسا اُنیک ہوا تھا
تب بہت مشکل وقت گزارا تھا۔ میرے فائل ایکسائز
ہو رہے تھے منیعہ بہت چھوٹی تھی ابھی نانتہی
اسٹینڈرڈ میں پڑھتی تھی۔ میں اکیلی میں کو سنبھالنے کے
قابل نہ تھی اس کے باوجود نہیں اسیں اس چودہ سالہ
پچی کے بھروسے پر چھوڑ کے لکھا پڑتا تھا۔ بہت کشمکش
دور تھا۔ ایک تو علی کے اچانک غائب ہونے کا
صد مسے فائل کراکس۔ اور پھر می کا پیر الائیز
ہوتا۔ بھی تو دل چاہتا تھا سب چھوڑ چھاڑ کے گھربیٹھ
جاوں۔ اس اتنی سی پچی کے لیے تقریباً ناممکن ہوتا تھا
میں کی دیکھ بھال کرنا۔ لیکن میں ایسا کر بھی تو نہیں سکتی
تھی۔ حوکھ میا نے چھوڑا تھا وہ می کی بیماری اور قرضہ
چکانے میں ختم ہو گیا۔ می کی جاب بھی نہ رہی۔ اب
اگر میں بھی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کے بیٹھ جاتی تو جیسے
تھے پیروز دیئے۔ رزلٹ کے بعد جاب کی تلاش۔
شکر ہے زیادہ خوار نہ ہونا پڑا۔ لیکن نئی نئی جاب اور وہ
بھی ایسی نف، اس کے ساتھ ساتھ گھر کی ذمہ داریاں
اور می کی دیکھ بھال۔ ان کو اسپتال ورزٹ کے لیے اور
فرزو تھراں کے لیے لے جانا، یہ سب مجھے مشین بنی
گیا۔“

”تمہاری محبت رنگ بھی اولائی۔ آئی پیر الائیز
ہونے کے دیڑھ دو سال بعد بھی اپنے پیروں پر چلنے اور
اپنے ہاتھ سے کام کرنے کے قابل تو ہو گئی۔ ہمیک
ہے کہ ان کا دیاں بازو اور ٹانگ پر ارموو نہیں کرتے
مگر اب انہیں کم از کم کسی پر ڈینڈا تو تمیں ہونا پڑتا یہ
بھی۔ بس بڑی بات ہے اور نہ فانچ کے شکار بھی
اوقات ایسے خوش قسمت ٹاپتے نہیں ہوا کر سکتے۔“
”اُس بات کا تو میں بھی شکر ادا کر لی ہوں، لیکن
ساتھ ہی وہ مشکل دن یاہ آئتے ہیں تو مو فرنہ بھی ہو جاتی۔

ہوں۔ ان کا میں پہاڑ رہا سا بھی بالکل ہو جائے تو مجھے نکر
ہوتے لگتی ہے۔ فانچ کا دوسرا انیک زیادہ خط ہاں ہوا
کرتا ہے۔“

”ہل نکر ہے؟ آتی ہے، نیز اُن بھی بالکل پہلے شکی
مریضہ جس لیکن ان ہمسدی یہ ہے کہ وہ رہیں کی قابل
نمیں۔ تیس آنی بھی ہبہ پڑھیں نہیں اُنھیں بھی
”نمیں ایک ڈائیٹ یہی صاف ہے۔ خاص پھیس نہیں۔ ضروری نہ ہے۔ اسی میں اس ادار
کے ساتھ لھانا پڑی ہے۔ دوسرا منیعہ خاص ہے۔ ہمیں
رکھتی ہے کہ کھانے میں نمک اُسما۔ اُنہیں زیادہ
نہ ہونے پائے یہ اس لامپار نہیں ہے۔ یہ سن سفر
ڈائٹ کنٹرول کرنے سے یہاں ہوتا ہے۔ اُنہیں زیادہ
نمیش لینے سے بھی تو منع کرتے ہیں۔“
اس بار حق نواز پکھنے کہہ لے۔ ”بھی نہیں۔
انہیں نمیش سے دور رکھا کرو۔ یہی تھا۔“
جانتا تھا۔ جس مال نے اپنے دس سال کے خوبصورت
صحت مند ہیں پچھے کو کھو دیا بوا سے قرار کیا۔“
اس نے اسی خاموشی کے ساتھ اپنی گمراہی پر رکھ
میں کھڑی کر دی۔



رومی صہد نثار کا تعلق ایک تعییم یافتہ اور متمم
گھرانے سے تھا۔ اس کے پایا ایک کامیب سرجن
تھے، تو می ایک ہائی کوالی فائی پروفیسر تھیں۔ میں بھائیوں
میں رومی صہد کا بزرگ سا تھا۔ اس سے سات سال پھر
منیعہ بھی اور سب سے چھوٹا بھی آن کا انکوتا اور پیر را
سابھائی۔ یہی ان کی چھوٹی سی نیکی بھی اور اسے زیادہ
چھوٹی اس لیے لگا کر لی کے پایا اور میں نوں بے انتہا
مصروف لوگ تھے۔ گھر اور بچوں کے لیے چاہنے کے
یا وجود وقت کم ہی نکال پاتے وہ اور منیعہ اپنے خوش
ترست تھے کہ ان کا سارا بچپن داؤ اور داون کی
ریشقت تربیت میں گزرے۔ ڈاکٹر نثار اور مسز نیلو فرنٹار
بچوں کو اطمینان سے داؤ داؤ کی کے پسز کر کے اپنے
فرانچ نہ جھاتے۔ اگرچہ دیکھ بھال کے لیے گورنر بھی

وجود تھی۔ مگر ڈاکٹر شارکی والدہ پرانے خیالات کی الک تھیں۔ انہیں بچوں کا ملازموں کے رحم و کرم پر چھوڑنا پسند نہ تھا۔ جہاں تک ان سے ممکن ہوتا ہے بچوں کے سب کام اپنی نگرانی میں کروائیں۔ حتیٰ کہ ان کے بیوڑا اور قاری صاحب کے آنے پر بھی ان کے ساتھ موجود ہوتیں۔ ان کی نگہداشت پر ہی بھروسہ کر کے مسز نیلو فرنشار نے دو بچوں کے بعد ایک بیٹے کی خواہش پر تیری بارماں بننے کا حوصلہ کر لیا۔

لیکن علی کے آنے کے بعد دادا، دادی دونوں نے دنیا سے جانے میں زیادہ وقت نہ لگایا۔ علی ڈھانی سال کی عمر میں گورنیس کے سپر کر دیا گیا۔ مسز شارکی مدرسی زمہ داریاں مزید بڑھ چکی تھیں۔ اب وہ ایک بڑے تعلیمی ادارے کی دائیں پر نسل تھیں۔ اس کے علاوہ یونیورسٹی میں ان کی پیغمبر رشپ بھی جاری تھی۔ دوسری جانب ڈاکٹر شارکی اپنے رسول پرانے خواب کی تکمیل میں ممکن تھے۔ اپنی سالوں کی محنت سے نکائی جانے والی دولت کے ساتھ ساتھ خاندانی جائیداد تک لگا کر وہ ایک بڑا اور جدید اسپتال بنانا چاہ رہے تھے۔ لہذا جو وقت ملتا بھی تو وہ اسی میں صرف ہو جاتا۔ کیونکہ اعلیٰ تعلیم یافتہ والدین کی جانب سے اس معاملے میں کوئی رعایت نہیں تھی۔ لیکن اس سب کے باوجود علی سب کا چھیتا اور لاذلا تھا۔ علی شروع سے ہی بے انتہا زہن تھا۔ اسے بہترین اسکول میں داخل کرایا گیا۔ اس کے لیے دنیا کی ہر آسائش مہیا کرنے کی کوشش کی جاتی۔

ابھی وہ پانچ سال کا تھا کہ ڈاکٹر شارکی کے پہلے دوڑے میں ہی خالق حقیقی سے جا ملے۔ اس وقت جب ان کا خواب تکمیل کے آخری مراحل میں تھا۔ یہ سانحہ پوری فیملی کے لیے کئی لحاظ سے ناقابل برداشت تھا۔ ایک تو نیچے اُن رعنیہن بائپ کے سارے لئے محروم ہو گئے۔ جب اُنہیں اس کی اشہد ضرورت تھی اور دوسرا یہ کہ ڈاکٹر شارکی جاتے جائے اپنے پیٹھے لاگھوں کا قرضہ پہنچوڑ گئے۔ جو مسز نیلو فرنشار کو بھی بٹھکھڑ پہنچد پلاٹ جو

بچوں کے مستقبل کو محفوظ کرنے کے لیے لے کر رکھے گئے تھے۔ اپنے جیزی میں ملنے والا لکھت اور قیمتی زیورات تک پہنچ کر ادا کرنا پڑا۔ پوش علاقے سے وہ ایک نسبتاً متوسط علاقے کے معقول فلیٹ میں شفت ہو گئے۔ گورنیس بک، ڈرائیور سب کو فایس گرنا پڑا۔ اگرچہ مسز نیلو فرنشار کی اپنی آہمنی خاصی تھی۔ لیکن وہ نہ تو بچوں کی تعلیم کے سلسلے میں کوئی کمہر و مائز کرنے پر تیار نہیں تھا، ہی ان کے طرز زندگی میں نمایاں فرق لا کے انہیں احساس محرومی اور احساس کمتری میں بھلا کرنا چاہتی تھیں۔ اس لیے پہلے اب بھی ان ہی اعلیٰ تعلیمی اداروں میں پڑھ رہے تھے جن کی قیمت ادا کرنے میں ان کی تنخواہ کا اچھا خاصاً حصہ نکل جاتا۔ ایک جزو قوتی ملازمہ بھی تھی۔ اس کے علاوہ وہ چونکہ دن کا زیادہ ت وقت گھر سے باہر گزارنے میں اس لیے بلڈنگ کے گیٹ کیپر کو تنخواہ سے زائد رقم دیتیں ہیکہ وہ ان کی غیر موجودگی میں فلیٹ کا دھیان رکھے۔

ابتدا میں انہیں خاصی مشکل پیش آئی۔ عملی زندگی میں وہ عرصے سے تھیں۔ پہلے بھی حباب اور گمر کی ذمہ داریاں دونوں ہی اٹھار کھی تھیں، لیکن تب ذمہ داریاں باشندے والا بھی موجود تھا۔ اور وہ یہ کام اپنے شوق اپر لگن سے کرتی تھیں۔ اب بجھورا "محنت کرنا پڑ رہی تھی ہاکہ گھر اور بچوں کے خرچے چلتے رہیں۔ اب جسمانی تھکان کے ساتھ ساتھ اعصابی اور رذہنی تکان بھی رہنے لگی تھی۔ — ابھی سب سے بڑی بیٹی رومیصہ بھی سولہ سترہ سال کی تھی اس کے باوجود وہ خود کو بہت عمر ریسیدہ محسوس کرنے لگی تھیں۔ وہ جو ہمیشہ بہت ترویانہ اور ہشاش بشاش رہا کرتیں اب پڑھرہ اور نہ ٹھہل نظر آنے لگیں۔

رومیصہ عمر کے لحاظ سے سمجھ دار اور معاملہ فرم تھی تو منبعہ فطرتاً "راضی بہ رضا رہنے والی۔" بچوں نے باب کی کمی کو محسوس تو کیا لیکن حالات کی تبدیلی کو قبول بھی کر لیا۔ جب کہ نازو نعمہ اور آسائشات میں ملنے والا علی چیزرا ہو گیا۔ وہ اپنی گورنیس کو بھی بہت مس کرتا تھا۔ جس سے پہلے ڈھانی سالوں میں وہ

"میں نے اس پاپ کے سب ہی قیاس میں پڑھ کروالیا ہے۔" اس کی بات سخت تل انہوں نے بوابہ سینڈل پہنی اور شبل اوزھتے ہوئے باہر ہل گئے۔ اس کے بعد انہوں نے خود علی کے سب دوستوں کے گھوول میں جا کے پہنچا دیں سے علم ہوا کہ سن تو انہی فیملی کے ساتھ یہ ویک اینڈ لزار نے اپنی ہٹوئے بھل ریا ہوا تھا۔ زدہ بیب قلب ہونے کی وجہ سے پیشی نہیں اڑا جب کہ لیفی اور سہ بہ جو ایک تی اسکوں میں پڑتے تھے، ان کے سہنگی نیست ہے، رب تھے تو جمیں ان کھلینے نہیں آئے۔ ان کے خایاہ دو اور دوست تھے ان دونوں کا کہنا تھا کہ اپنے بالی دوستوں کی غیرہ جو جوہل کی وجہ سے وہ جلدی بور ہو کے والپس چلتے تھے انہیں علم نہیں تھا کہ علی اور کتنی دیر تک پہنچ رہا اور کیا کرتا رہا۔ الفت خان کے بیان کے مطابق اس نے آخری بار علی کو کپاڈ بند کے اندر ہی سائیکل چلاتے دیکھا تھا۔ جب وہ عصر کی نمازوں کو والپس آیا تو کپاڈ نہ خالی تھا وہ یہی سمجھا کہ علی بھی اور چلا گیا ہو گی۔

مسزینیلو فر کے ساتھ آس پڑوس کے تین لوگوں نے ہر ممکنہ جگہ پر علی کی تلاش رات بھر جاری رکھی۔ اُن دون پولیس میں روپورٹ بھی درج کرائی گئی لیکن علی کا کچھ پتہ نہ چلا۔ اس وقت وہ دس برس کا تھا۔ اس کے جانے کے صرف ڈرڑھ میں بعد میں مسزینیلو فرنشار فان کے باعث معذور ہو گئیں۔ دو سال بعد میں نے ان یکی بیماری سے لڑتے گزارے۔ اب وہ اس قاتل ضرور ہیں کہ چل پھر لستی تھیں۔ دیاں بازوں حرکت نہیں کرتا تھا۔ اور دامیں ٹانگ میں بھی بلکی سی لنگڑاہت آئی تھی۔ اس کے باوجود اب وہ معذوری کی زندگ نہیں گزارہی ہیں اور رومیصہ اسی پر اللہ کی شکر گزار تھی۔ البتہ یہی کے جدائی کے عم سے مل کو نکالنے میں ناکام تھی جس نے پچھلے چار سال سے انہیں اندر سے کھو کھلا کر رہا تھا۔

حیرا کرے کے اندر تھی، لیکن باہر سے کئی ہوئی

خاصاً المیع ہو چکا تھا۔ اسے یہ چھوٹا سا فلیٹ بہت برا لگتا تھا وہ اپنے وسیع و عریض ننگلے میں بنے لان میں سائیکل چلانا چاہتا تھا، فٹ بیل کھیانا چاہتا تھا، اس کی ضد کے ہاتھوں مسزینیا و فرنشار مجورا۔ اسے بلڈنگ کے دوسرے بچوں کے ساتھ کھینے کی اجازت دے دی رفتہ رفتہ بھل ہی گیا۔

مسزینیلو فر کو اس کے پڑھائی میں دلچسپی نہ لینے پر تشویش تو تھی لیکن وہ جانتی تھیں ابھی اسے اس ماحول سے منوس ہونے میں وقت لگے گا۔ گیٹ کیپر الفت خان سے انہوں نے خاص طور پر علی کا خیال رکھنے کو کہہ رکھا تھا ماگر وہ بلڈنگ سے باہر نہ جانے پائے اور وہ بھی الفت خان سے خاصاً منوس ہو چکا تھا۔ ایک دو سال میں وہ سب بھول بھل گیا۔ یوں بھی اس کی عمر ہی کتنی تھی۔ — وہ نئے ماحول میں ایڈ جسٹ ہو اتو اس کی ذہانت بھی مزید بڑھ گئی۔ اپنی بڑی بہنوں کی طرح وہ بھی کلاس میں نمایاں پوزیشن لینے لگا حالانکہ کھیل میں اس کی دلچسپی برقرار تھی۔ اسٹڈریز کو واجہی سا وقت دینے کے باوجود وہ اچھے مارکس لے لیتا تھا اس لیے مسزینیلو فر اس کے باہر رہنے پر زیادہ اعتراض نہیں کرتی تھیں۔ اور ویے بھی وہ ان کے آنے سے پہلے پہلے گھر واپس ضرور آ جاتا تھا لیکن ایک شام جب مسزینیلو فرنشار گھر لوٹیں تو رومیصہ کو پریشانی کے عالم میں بالکل اونٹ سے پیچے جھاٹکتے چاہیا۔

"میں اعلیٰ اب تک گھر نہیں آیا۔"

"اس کو اب زرا کھینچ کے رکھنا ہی پڑے گا۔ نعمتہ اسٹینڈرڈ میں ٹوکریا ہے ویے تو ذہین ہے مگر لاپروا بھی بہت ہے۔ اگر اب بھی اس نے اسٹڈریز کو سیریسل نہیں لیا اور یونی اپنائا تا مہم ویسٹ کرتا رہا تو۔"

"میں! اس کے سارے فریڈرڈ واپس آچکے ہیں۔" وہ اپنی گرم شال اتار کے تھس کرنے کے بعد اپنی سینڈل اتارتے ہوئے کہہ رہی تھیں جب رومیصہ نے ان کی یادت کاٹتے ہوئے اپنی پریشانی کی اصل وجہ بیتا۔ ان کے ہاتھوں ہیں کے وہیں رک گئے سوالیہ نظریوں ر سے وہ بھی کی جانب بڑی ٹکیں۔ اگر کرزا

ہر زندہ تھی کہ باہر ر آمدے میں ذکیرے کے سامنے بیٹھا
ہے کامنگیت آصف نہ صرف اسے صدق نظر آرہا تھا
بلکہ وہ خود بھی اپنی بھروسہ تیاریوں کی جملک اسے
دھانے میں کامیاب ہوئی تھی۔ ذکیرے کی پشت
دروازے کی جانب تھی اس لیے وہ بھی کی سرگرمی سے
بعلم تھی اور نہ جانے کون سے خاندانی قصے چھیڑتے
بیٹھی تھیں۔ جن کو بے دھیانی سے سنتے ہوئے آصف
سلسل سرہائے جا رہا تھا البتہ پھسلتی ہوئی بے باک
نظریں بار بار حمیرا پہ جائز تھیں، جو لال سسک گریپ کا
جوڑا پہنے، دوپے کا پلو جان بوجھ کے نیچے کرائے
دروازے کے پٹ پہ اپنا سرخ نیل پالش سے سجا ہاتھ
رکھے انھیں شرارت سے نچارہی تھی۔ مسکارے
اور آئی لانٹر سے بو جھل پلکیں بھی ناز سے پٹ پٹائی
جارہی تھیں۔ ذکیرے گلاس رکھنے کے لیے نیچے جھلکی تو
آصف نے نظر بچا کے اسے ایک شوخ سا اشارہ بھی کیا
جس پر اس نے شرم و حیا کا مظاہرہ کرنے کی پوری
پوری کوشش کی۔ اسی کمرے میں اس کی دنوں چھوٹی
بہنیں بیٹھی اپنا ہومورک بھی کر رہی تھیں۔

”بابیں کو دیکھنا زراست سری دیوی بنی ہوئی ہے۔“
سیرا نے بیلی کو شوکارے کر متوجہ کیا۔ اس کے لبوں پر
مشخرانہ مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ بیلی نے بھی اس
منظر میں دلپسی تلاشنا چاہی مگر اسے خاص مزہ نہ آیا۔
”کہاے؟“ وہ بار بار کے شوکوں سے بد مزہ ہوئی۔
”دیکھ تو سی!“ اپنے آپ کو ہیر و ن سمجھ رہی ہے اور
ہیر و دیکھ زراست منالا ہوری، زکونا جن۔ ”وہ نہیں دیتا
ہوئے بولی۔ اگر یہ تبصرہ حمیرا کے کانوں تک پہنچ جاتا تو
اس کی پھینٹی لگنا لازمی تھی۔

”زکونا جن بے ہال بچ عینک والا جن کا نامم ہو گیا
ہے، چلوئی دی لگائیں۔“ بیلی نے اس ڈرائے کا نام لیا
جو آج کل اس کا پسندیدہ تھا۔
”دیکھو! ماری دی کوئی یہ فلم جو بھلی ایسے سکرائے!“ پتہ
نہیں ابھے کیا مزہ، آرہا تھا جو اسی کے دانت اندر نہیں
خار ہے تھے۔ بیلی اپنی کتابیں سمیٹ کر لی دی وائے
کمرے میں جعلی لئی جملک پھلے ہی دادی کا قبضہ تھا۔

”بلکہ اوبنکہ!“ ابھی پھلا و قدمی آیا تھا کہ
ذکیرے کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔
”جا بیشیرے کے تنور سے روٹیاں کھڑا اور صحن
کی دکان سے پاؤ بیٹن اور انڈے بھی لاوے۔ اب
آصف اتنے دنوں بعد آیا تے تو نیل کھے بغیر تو نہ
جانے دوں کم۔ شربے والے کو فتحے ہیں بغیر اب
اندوں کے مزانہمیں آئے گا اور آصف میرے ہاتھ کے
پکوٹوں کی بھی فرباش کر رہا تے، جل جلدی سے دوز
لگا۔“

”ایں عینک والا جن“ اس نے بائیں دنہ
”اُن لئے تیرے عینک والے جن کو کھے میں
ہونے والا جوائی بینھا ہے، اسے بھانے پڑے ہوئے
ہیں۔ اٹھ جائیں کہہ رہی ہوں۔“
”ذکیرہ! فرخ کو بھیج دے کم از کم شام کے وقت تو
لڑکی کو نہ بھیجا کر۔“ دادی نے بھی اندر میں سے آواز
دکی۔

”فرخ کبھی اس وقت گھر ہوئے امک؟ اور اپنا محمد
ہے۔ ڈرکی کیا بات، اتنی رونق ہوئی ہے باہر کا ب میں
روٹیلی ڈالوں یا دکانوں کے پھیرے لگاؤں۔ حمیرا تو آن
باہر نکلنے والی نہیں۔ پتہ تو ہے کہ اتنی شرمندی ہے۔“
ذکیرے کے انتہے ہی دروازے کی اوٹ میں ھری حمیرا
جلدی سے اندر ہو گئی۔ اس ساری بحث کے دوران
آصف ڈھیٹ بنا بیٹھا رہا۔ ایک بار بھی خود دکلن پر
جانے کی پیش کش تھیں کی۔ اور کیوں کرتا یہ صرف
اس کے ماموں کا گھر نہیں تھا، ہونے والا سرال تھا۔
برے برے منہ بناتے ہوئے بیلی یا تھہ میں پیسے رہا
کے چلی ہی گئی۔ اس کی پوری کوشش تھی کہ دتفے کے
دوران وہ یہ کام کر لے تاکہ اس کا ڈرامہ نہ چھوٹ
جائے۔

”چاچا بیشیرے بارہ روٹیاں کڑک۔“ اس نے بیجول
کے میل اچک کے تنور رواںے کو زور سے آواز دی۔
”چاچا! گھر مہمان آئے ہیں، مجھے پلے لگاؤ۔“ میں
ابھی آکے لیتی ہوں۔“
یہاں سے وہ اسی طرح بھاگتی ہوئی صلح کی دکن

تک گئی۔

"صادق بھائی جان۔" دکان پر اسے کوئی نظر نہ آیا تو وہ اندر جھانک کے آواز دینے لگی۔ نیچے فرش پر دری بچھا کے لینا ایک لاکار سالہ پڑھ رہا تھا۔

"کیا چاہیے؟" وہ اٹھ بیٹھا۔ سترہ انھارہ سال کا نو عمر لڑکا تھا۔ اس سے سلے بیلی نے اسے بھی اس دکان یا محلے میں نہیں دیکھا تھا۔ یہاں یا تو صادق بھائی جان ہوتے یا ان کا چھوٹا بھائی راجا۔ بھی کھمار ان کے بوڑھے ابا ہوتے۔"

"پاؤ میں اور چھانڈے۔"

اس نے سامنے رکھے انڈوں کے ریک میں سے چھانڈے تو فوراً نکال کر ایک لفافے میں ڈالے اور مژہ کے نہیں پر رکھے ڈھیر سارے لکنستروں پر نظر ڈالنے لگا۔

"میں ہالس یہ رہا۔" اس نے ایک اور لفافے میں میں ڈالا۔ تھوڑا سافر شہر بھی گر گیا۔ پھر وہ اسے تو لنے کے لیے ترازوں میں رکھنے لگا تو اسے پاؤ وزن والا بات ہی کتنی دیر نہ ملا۔ بربات سے اندازی پن جھلک رہا تھا۔

"اوہ ہو۔ پاؤ ہی ہو گا۔ اندازہ تو ہو رہا ہے۔ یہ لو بھی اور لا او پیسے۔"

"کیوں۔ میں تمہیں کیوں دوں پیسے؟" بیلی نے پیسوں والا ہاتھ پیچھے کیا۔

"یہ صادق بھائی جان کی دکان ہے، ان کی چیزیں ہیں میں کسی اور کو پیسے کیوں دوں؟"

"اڑے والے تو سودا بھی پھر اپنے صادق بھائی جان سے لو۔ چلو شکل گم کر۔" اس کے ڈانٹنے پر وہ سُم کر پیچھے ہٹی تو لڑکے کی ہنسی نکل گئی۔

"اوے بدھو" میں ادھر کھڑا ہوں تو دکان ہوں والوں کا کچھ گلتا ہیں، والوں گا۔ صاف بھائی جان میرے کزن ہیں۔ وہ کسی کام سے گھر گئے ہیں۔ یہ سودا چاہیے تو بیلے جاؤ اور پیسے جب چاپ ادھر رکھ جاؤ۔ اُتر نہیں تو شباباں ہے رسلہ پر چندوں۔"

"اُسے اُنکی دلکشی پر جا کے مزید وقت ضائع کرنے

کے خیال سے کوفت ہوئی۔ اس نے جلدی سے لفافے پکڑے پیسے رکھے اور بھاگنے کی تیاری کی۔ "یہ لو۔" اس نے ایک چیزوں کی جانب بھائی۔

"یہ کیوں؟" وہ بھاگنی۔

"رکھ لو، میرے پلے پلے کشتر کے لیے لوہیاری بے بل۔" اس نے زبردستی اسے چیزوں کی تھامی اور دوبار سے رسالہ کھولی لیا۔

روٹیاں لے کر وہ گھر آئی تو ذکر کیہے کچن میں مصروف تھی۔ داری ابھی تک لی وی کے سامنے اور آصف وہیں جما بیٹھا تھا۔ کچن سے چونکہ لڑکیوں کے کمرے کا دروازہ صاف نظر آیا تھا اس لیے حمیرا اب تک جھانک نہیں کر رہی تھی۔

آصف بے زاری سے بیٹھا گردن ادھر ادھر گھما کے جائزہ لے رہا تھا۔

"مے بیلی ادھر آؤ۔" آصف نے اشارہ کیا۔ کمرے سے آئی آوازوں سے پتا چل رہا تھا کہ وہ جلدی واپس لوٹنے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ اب دوسرا واقعہ آرہا تھا وہ مرے قدموں سے آصف کے قریب آئی۔

"اور سناؤ کون سی کلاس میں پڑھتی ہو۔" ایسی ہی دو چار ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد اس نے نظر بچا کے جیب سے ایک تھہ شدہ کانٹہ نکالا اور اس کی مٹھی میں دبایا۔

"اُنی باجی کو دے وئا۔" سرگوشی کے انداز میں کہا گیا۔ ایک سفنسی سی بیلی کے رگ و پے میں دوڑ گئی۔ یہ ڈیولی اسے بڑی بچپن محسوس ہوئی۔ وہ اس رقعت کو چھپا کے کمرے میں آئی تو حمیرا نظر نہ آئی البتہ سیرا کی جاسوس نظروں نے بھانپ لیا۔

"یہ ہاتھ میں کیا ہے؟" "آصف بھائی جان نے دیا ہے، باجی کے لیے۔" اس نے اسی رازدارانہ انداز کہا۔

"وکھاڑا۔" اس کے ناتا کرتے بھی سیرا نے رقعت چھین لیا اور چمکتی آنکھوں کے ساتھ پکٹے لے لے

کے رہنے لگی، کہیں اس کارنگ گلابی ہو جاتا اور کہیں سرخ۔ البتہ بیلی کے سر کے اوپر سے یہ باشی گزرنی رہیں۔ وہ جمایاں لئی رہی۔ اچانک ساتھ والے اشور سے حیران کلی۔ سیرا کے چھپاتے چھپاتے بھی اس نے رتعہ اچک لیا۔

”هرام خور! میرا خط پڑھتی ہے۔“ اس نے سیرا کی کمریں جڑنے کے لیے مکا اٹھایا ہی تھا کہ وہ غنچہ دیے کر باہر نکل گئی۔ بیلی قابو آگئی۔ حیرا نے اسے ہی دو چھپڑے مارے۔

”میں نے کیا کیا ہے؟“ وہ رونے لگی۔ اللاد حیرا کو مصیبت پڑ گئی کہ دادی یا ماں ادھرنہ آجائیں اس کی آواز سن کر اور اس کا خط پکڑا جائے، جس سے صاف پتا چل رہا تھا کہ وہ اس جمع کو ملنے والے ہیں اور پہلے بھی ملتے رہے ہیں۔ یہ راز کھل جاتا تو اس کا گھر سے باہر نکلا بند ہو جاتا۔ آصف سے تو بھی مہینے ڈرڈھ مہینے بعد ملنا ہوتا تھا، لیکن روز کی سیر اور بازاروں میں خریداری سے یہ سب بھی ختم ہو جاتا۔

”چپ کر پڑا خسی چپ کر جائے۔“

”حیرا پڑھ رہی تھی۔ میں تو لے کے آئی تھی آصف بھائی جان سے۔ امی۔“ حیرا نے اس کے منہ سے سختی سے ہاتھ جمایا۔

”چپ سے پہلے بھوٹا تھا کہ اس ذیل سیرا کی غلطی ہے۔ تباش ادھر آیا، میں کل تیرے لیے بازار سے اتنا پیارا بیٹر بینڈ لائی تھی اور ہاں، میرا ایک کام کرے گی تو کل اسلوں کے لیے پورے دس روپے دوں گی۔“ اس نے بہلا پھسلا کے اسے چپ کر اہی لیا اور ایک جوابی خط لکھ کے اسے تمہایا۔

”یہ حکے سے اسے آصف بھائی جان کو دے دنا اور دیکھو کسی توبہ نہ ہے۔“ اس سیرا کی پنج جائیں گے بھی نہیں، تو تو بیکھری سہیلی سہیلی، کل ریز تر، ساتھ نہ توں کے گھر بھی چلنا۔ اس کی چھوٹی بہن سے تیری بھی دوستی ہے۔ وہ نوں مل کے نکلیں گے، تو یہ رشار کے لارج اور بہلا دے رہے کہ اس نے بیلی کو منالیا تھا۔

”آنٹی کی طبیعت اب کیسی ہے؟“
”شکر ہے اللہ کا۔ پہلے سے خاصی بہتر ہے۔ اس روز تمہارے لیکھر کا خاصا اثر ہوا تھا۔ دو دن سے بلڈ پریشر بھی نارمل ہے۔ اگر اسی طرح بے کار کی ٹینش سے دور رہیں گی تو آئندہ بھی ٹھیک رہیں گی۔ جب تمہارے لیکھر کا اثر ختم ہونے والا ہو گا میں بتاؤں گی۔ آگر ایک سو زور دے جانا۔“

اس کی نظریں مانیز پ جی تھیں، ایک ہاتھ ماؤس کو متھک رکھے ہوئے تھا اور دوسرے ہاتھ سے وہ اپنے بالوں کی اس مولی سی لٹ کو بار بار کھن کے پیچھے اڑنے میں مصروف تھی، جو کلب کی قید سے نکل گئی تھی۔ ہونٹوں پہ ہلکی سی مسلکراہٹ لیے وہ اس کے سوال کا تفصیلی جواب دے رہی تھی اور ہمیشہ کی طرح حق نواز کو بے حد اچھی لگ رہی تھی۔ بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ اس نے حق نواز کی جانب دیکھتے ہوئے کوئی بات کی ہو۔ پتا نہیں وہ ایسا ارادتا ”کرتی تھی یا غیر ارادی طور پر۔“ مگر اسے رومیہ صدھ کی ادا بہت بھائی تھی۔ ”فی الحال تو تمہیں آئی اور منبعہ کو آتا ہو گا ہمارے ہاں۔“

”وہ کیوں؟“

”بھول گئیں۔ شاہ نواز بھائی کی شادی یا پھر یا قاتعہ دعوت نامے کی منتظر تھیں۔ خیر یہ میں لے آیا ہوں۔ تمہارا کارڈ۔“

اس نے ایک خوبصورت کارڈ اس کی جانب بیٹھا، جسے رومیہ صدھ نے اپنا کام روک کے بغور پڑھا۔

”ویلے ولیمہ تو ہمارے گھر کے نزدیکی ہاں میں ہے۔ یعنی آسانی رہے گی۔ پنج جائیں گے بھی۔“

”کیا مطلب؟ صرف کہہ اٹینڈ کرو گی۔ مہندی، اپنی حقیقت کے کل ہونے والی ڈھونکی میں بھی تم انوانٹل ہو۔ خبردار جو کوئی گھپلا کیا تو۔“

”ریکھو“ میں جھوٹے وعدے نہیں کر سکتی، اس لیے صاف صاف کہہ رہی ہوں کہ صرف ولیمہ پر آؤں

سے انکار نہیں کر رہی بلکہ میں اس خوشی کے موقع پر تمہاری امی کو پریشان نہیں کرنا چاہتی کیونکہ بات صرف اتنی نہیں کہ وہ مجھے ایک درکنگ و سکن ہونے کی وجہ سے پاسند کرتی ہیں بلکہ شاید تمہارے حوالے سے بھی وہ کچھ خدشات رحمتی ہے۔ میں ولد میں آجاؤں گی۔ ہماری دوستی کا بھرم جمی رہ جائے گا اور یہ فنکشن خاصاً فارمل سا ہوتا ہے۔ اس لئے زیادہ آمنا سامنا نہیں ہو گا۔ ”اس نے اتنیوضاحت سے یہ سب کہا کہ حق نواز کچھ کہہ ہی نہ سکا۔

اس نے کچھ غلط بھی تو نہیں کہا تھا۔ اس کی امی واقعی دقیانوں کی خیالات کی تھیں اور سب سے بڑھ کے اس کا برا بھائی شاہ نواز۔ جس کی شادی تھی۔ اسی کی ضد کے تیجے میں فوزیہ جوان کی سب سے چھوٹی بیٹی تھی، میڑک سے آگے تعلیم حاصل نہ کر سکی کیونکہ شاہ نواز کا الج یونیورسٹی میں پڑھنے والی لڑکیوں کو پسند نہیں کرتا تھا۔ اسی کے کہنے پر فوزیہ کی شادی محض سڑھ پیال کی عمر میں کردی گئی۔ حالانکہ امی پہلے بولا تا چاہتی تھیں اور شاہ نواز کی شادی کے لیے شرائط بہت سخت تھیں۔ ایسے پڑے کی پابند اور سیدھی سادی لڑکی چاہیے تھی۔ اب کہیں جا کے اس کی امی سورا کو ڈھونڈ پائی تھیں جو تھی تو کالج سے گریجویٹ مکرر دے کی سخت پابند تھی۔ بست کم گو اور معصوم شغل و صورت والی اس لڑکی کا چہرہ ہی اس کے باحیا ہونے کی گواہی دیتا تھا۔ ایسے میں اگر حق نواز نے اشاروں کنایوں پیش رومیھ کے لیے اپنی پسندیدگی ظاہر کر دی تھی تو ان کا بھر کنا فطری تھا۔ وہ دوسری بچوں کے طور پر ایسی لڑکی کو کبھی برداشت نہیں کر سکتی تھیں جس کے سرپر باب کا سایہ تھا نہ بھائی کا ساتھ۔ وہ یونیورسٹی میں لڑکوں کے ساتھ پڑھتی تھی اور اب مردوں کے ساتھ اخبار کے دفتر میں کام کرتی تھی۔ بغیر پڑے کے سارے شریں گھاڑی دوڑاں خبریں اکٹھی گرتی پھرتی تھی۔ رومیھ ان کی ناکواری پہچان گئی تھی۔ ابھی تو وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ اس کی ناکواری کی اصل وجہ حق نواز ہے۔ جس نے مال کو

گی اور میرے ساتھ میں یا منبعہ ہوں گی یا نہیں؟ ”اس کے بارے میں بھی ابھی سے کچھ کہہ نہیں سکتی۔“ ”کیوں؟ بہت مصروف ہستی ہو گئی ہو تو چھوٹے موٹے لوگوں کی خوشیوں میں شریک ہونا گوارا نہیں ہے۔“

”پلیز حق نواز! یوں عورتوں کی طرح طعنے مت ریا کرو،“ چھے نہیں لگتے۔ ”وہ نہیں پڑی۔“

”کب اچھا لگتا ہوں یہ بتاو ماکہ میں آئندہ اسی کیفیت اُسی حالت میں رہا کرو۔“

”جب میرے کہے بنا میری بات سمجھ جاتے ہو تبد۔“

”ابھی بھی میں کچھ کچھ سمجھ تو رہا ہوں مگر تمہاری زبان سے سننا چاہتا ہوں۔“

”تم مجھے کام کرنے دو گے یا نہیں؟“

”ضرور کرنے دوں مگر یہ جانے کے بعد کہ تم میرے ہاں آنے سے کتراتی کیوں ہو جکہ فوزیہ کی شادی میں تم خوشی خوشی شریک ہوئی تھیں اور تب ہماری دوستی ایسی گھری بھی نہ تھی۔ دو تین ماہ ہوئے تھے جان پہچان کو۔“

”اور تب ہی میں جان گئی تھی حق نواز! کہ تمہاری فیملی مجھے پسند نہیں کرتی۔ نہ صرف میرے ساتھ بلکہ اس آفس کی وہ سب لڑکیاں جن کو تم نے کوئی گیک ہونے کے ناتے اپنی بیٹی کی شادی میں انوائٹ کیا تھا۔ سب ہی کے ساتھ ان کا رویہ عجیب ساتھا۔ اس کے بعد ایک آدھ بار، جب بھی میں ان سے ملی، مجھے شدت سے یہ محسوس ہوا کہ انہیں مجھے سے ملنے سے تو کیا، میرے ہونے یا نہ ہونے سے بھی کوئی دلچسپی نہیں پہلے اپنی شاید تمہارا مجھ سے زیادہ مانا جانا بھی پسند نہیں۔ مجھے ان باتوں سے کوئی خاص پر ایلم نہیں، نہ ہی میں اس میں اپنی انسسلٹر محسوس کر لیں ہوں۔ میں ایک شیخوں رلڑکی ہوں، جاتی ہوں ہر فیملی کی کچھ روایات ہوئی ہیں۔ ان سکے ذہن میں اگر بایہر کام کر لیے والی خواتین کے بارے میں کچھ غلط فہمیاں ہیں تو یہ ایسی انہیں بات نہیں۔ میں اسکے آنکھا مسئلہ بنائے ہوئے تھے۔“

ٹائیٹ کی نوکری نہ کرتیں۔ آئندہ سورپے کی خاطر ریلوے اسٹیشن کے نزدیک بنے کھوکھانماں سی اور میں یلی فون آرٹریٹری سیٹ میں بینچ کے ہر قماش کے بندے کو مسکرا مسکرا کے نہ جھیلتیں اور نہ ہی یلزگرل بن کے گلی گلی پر اڈکٹ بینچ کی خاطر گھروں کے دروازے کھنکھنا تھیں اور بدیلے میں خاتون خانہ کی بربی بھل سنتیں۔ اگر یہ واقعی بدکوار نہ تھیں تو یہ سب کیوں کرتیں۔ کیوں جان توڑ مخت اور ذلت والی زندگی جیتیں۔ وہ بڑی آسانی سے غلط ذرائع سے اس سے کہیں زیادہ رفم کا سکتی تھیں لیکن وہ ایسا نہیں کرتیں۔ مخت اور حلال کی کمائی پر یعنی رکھنے والی ان مخت کش خواتین پر انگلی اٹھاتا اسے پسند نہیں تھا مگر یہ اس کے اپنے خالات تھے، ان کو وہ نہ اپنے بھائی پر ٹھوٹس سکتا تھا، نہ مال کو قائم کر سکتا تھا۔

”چلو اچھا ہے، نہ آئے رومیہ صد وہ خاصی سمجھدار ہے۔“ اس نے مزید اصرار نہ کیا۔

”تم یقیناً فرخنده اودھی کے کسی فیچر پر کام کر رہی ہو۔“ اثبات میں جواب ملنے پر برا سامنہ بنائے رہ گیا۔

”ایک تو یہ محترمہ تمہارے حواسوں پر چھائی ہے ذرا سوت نہیں کرتی تمہیں ایسی نظرے لگائی، نام نہاد آزادی نسوان کی حامی سو شل و رکڑا پر خواتین سے دوستی۔“

”پہلے تو میں یہ تصحیح کر دوں کہ وہ مخف آزادی کے بنیادی حقوق کے لیے کام کرتی ہے، خاص طور پر پچھے بچوں کو جس طرح نظر انداز کیا جاتا ہے وہ۔“

”بس، بس، رہنے دو۔ ہونہے۔“ بچوں کو نظر انداز نہ کر رہا۔“ اس نے تیخانہ انداز میں سر جھٹکا۔

”میں نے کم از کم اپنے آس پاس بچوں کو نظر انداز ہوتے نہیں دیکھا۔ ہمارے معاشرے میں تو بچوں کو کچھ زیادہ ہی اندر آبزرویشن رکھا جاتا ہے۔ ضرورت سے زیادہ کیسے۔ ضرورت سے زیادہ لائسنس۔“

رومیہ صد نے گھری سانس بھری۔ ”تمہارا مشاہدہ اس معاملے میں خاصا سطحی ہے۔ اس سلسلے میں پھر کبھی تفصیلی مفتکو کریں گے۔ ابھی تو مجھے اس فیچر کے

ردی الفاظ میں یہ بتاریا تھا کہ وہ رومیہ صد کو زندگی کا سانحی بناتا چاہتا ہے۔ فوزیہ کی شادی پر اس کے اور دوسرا کو لیگر کے نفعہ شاہ نواز نے بھی ناک بھوں چڑھائی تھی۔ ”بہن کی شادی پر ہے اور تم نے گرل فرینڈز کا ڈھیر آئھا کر لیا ہے۔ وہ لوگ کیا خیال کریں گے کہ کیا آزاد گھرانہ ہے، ضرور لڑکی بھی۔“ ”فارغ ٹاؤن سیک شاہ نواز! پتہ نہیں کیسے کیسے فضول نیالات آتے ہیں تمہارے ذہن میں۔“

اسے ان سب کو لیگر کا ”گرل فرینڈ“، ”ٹھہرائے جانا“ سخت بر امحسوس ہوا جن سے اس کا خلوص اور احترام کا رشتہ تھا بلکہ رومیہ صد اور اس جیسی کوئی کو وہ بے حد سراہتا تھا جو اپنی نیلی کے لیے جدوجہد کر رہی تھیں۔ رومیہ صد کی مثال سامنے تھی۔ وہ کم عمر تھی اور پرکشش بھی۔ اس کی طرح کتنے ہی لوگوں نے اس کی ہم سفری کی تمنا کی بولی۔ وہ چاہتی تو کسی کا ہاتھ تھام کے ایک خوشحال اور بے فکر زندگی کی شروعات کر سکتی تھی۔ مگر وہ مال کے علاج، بہن کی اعلاء تعلیم اور گھر کے دیگر اخراجات پورے کرنے کے لیے ہی یہ جاب کر رہی تھی۔ یہ ٹف جاب جو عام عورتوں کے بس کی بات نہیں پھر کیے اسے یا کسی اور ایسی لڑکی کو برا اقرار دیا جاسکتا ہے جو گھر سے نکل کر بارہ کام کرنے پر مجبور ہوتی ہے، ہو سکتا ہے ان میں اکاڈمیاں، ہوں جو شوکیہ جاب کرتی ہوں مگر ان چند کی وجہ سے سب کو ہی غلط نہیں کہا جاسکتا۔ کم از کم وہ تو ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ وہ صرف اپنی کو لیگر کا ہی نہیں بلکہ روز بس اسٹاپ پر نظر آنے والی ہر اس لڑکی کا احترام کرتا تھا جو روز ٹھاکر کی نیت سے گھر سے باہر قدم نکالتی تھی۔ اس کے دل میں ان لڑکوں کے لیے گھر میں بیٹھنے والی خواتین سے کہیں رینچہ کے احترام کرتا۔

”رینچہ، یہ بد کر دار کیسے ہو سکتی ہیں۔ اگر ہو اتھر تو ڈریڈو پڑاڑ کے لیے گلی تھملوں پر کے رائے پیٹ اسکو لوں میں چھپ کھنے سر نہ کھاتیں۔ دُسوں بارہ کوئی امنیل کی بیٹھیاں جنہوں نے کسی کو معمولی ستر آفس میں

پھر تمہارے یہ سب رک جائے گا؟"

"تم جو سیاستدانوں کے بخی اور حیرتے ہو گیا ایسا کرنے سے وہ سدھرا جائیں گے؟ نہیں۔ پھر بھی تم ایسا کرتے ہو، صرف عوام کو باشور بنانے کے لیے اسکے دل پا بھلا سمجھ سکتے ہیں۔ یہ جان پائیں کہ کھوکھلے دعوے کرنے والے اور صحیح معنوں میں قوم کے لیے مخلص سیاست دانوں میں کیا فرق ہے۔ یہی مقصد فرخنہ کا بھی ہے، لیکن تم تھرے سیاسی قسم کے صحافی۔ ایوان بالا کی ریشنہ دو انسوں تک تو تمہاری نظر کی رسائی ہے مگر ایک عام شخص کی عام سی زندگی کے اور بھی بست سے سائل ہوتے ہیں۔" وہ کہتے ہوئے دھیرے سے مسکرائی۔

* * *

"یہ کیا کارڈ ہے؟"

ردمہ صہنے نے گھر پہنچتے ہی اپنے بیگ سے شادی کا کارڈ نکال کر مسز نیلو فرنٹار کو پکڑایا تو وہ پوچھنے لگیں۔ ساتھ ہی دراز سے چشمہ بھی نکال لیا۔ "حق نواز کے بڑے بھائی کی شادی ہے، ساری فیملی کا انوی مشن ہے۔"

"اچھا۔ اپھا۔" وہ سرہلانے لگیں۔ ساتھ ساتھ کارڈ کا بھی بغور مطالعہ ہو رہا تھا۔

"مہندی تو آج ہی ہے۔ میری طبیعت تو نہیں۔ اگر منیجہ تمہارے ساتھ جانا چاہے تو پوچھ لو اس سے۔"

"میں کہیں نہیں جا رہی۔" اس نے جو گز اتارے اور سلمندی سے ان کے بیٹھ پہ ہی آڑی تر چھپی لیت گئی۔

"کیوں؟ میری فکر مت کرو، میں بالکل نہیں ہوں۔ تمہیں جانا چاہیے۔ حق نواز کو برا کے گا۔ وہ ہر ضرورت کے وقت بن بلائے سب سے پہلے پہنچتا ہے۔"

"نہیں برا لگے گا، میں اسے بتا چکی ہوں۔ ویسے بھی میں نے صرف آج جانے سے اذکار کیا ہے۔ مہندی

لیے بہت ساری سرچ درک کرتا ہے۔ یہ ان بچوں کے بارے میں ہے جنہیں شیم خانوں سے ایڈ اپٹ کیا جاتا ہے ان میں سے چند ایک ہی ایسے خوش قسمت ہوتے ہیں، جنہیں ایک بھرپوری پری قیمتی کا سکھ مل پاتا ہے، ورنہ بڑے بڑی دعووں کے ساتھ گودلیے بچوں کا کیا حل ہوتا ہے، وہی فرخنہ لورڈ می نے دکھانا چاہا ہے۔ شیم خانے والے بھی پلٹ کے نہیں پوچھتے۔

میں فرخنہ کے ساتھ مل کے آج کل یہی سرچ کر رہی ہوں۔ اس کی این جگہ اونے کہنی اہم شیم خانوں سے پچھلے کچھ سالوں میں گودلیے جانے والے بچوں کے بارے میں معلوم کرایا ہے۔ افسوس کی بات ہے کہ ان درجنوں بچوں میں سے ہفتی کے دوچار ہی اطمینان بخش حل میلایا ہے۔ بے اولادی کی وجہ سے جن جوڑوں نے ان شیم بچوں سے اپنی محرومی دور کرنا چاہی، ان میں سے کہنی ایک کے اپنی اولاد ہوئی اور انہیں اپنی یہ جلد بازی کھلتے گئی۔ مگر کام گوشہ بناتے کے لے جانے والے وہ لوگ اب ان کو اپنے بچے اٹھانے اور کھلانے والا مازم بناتے ہوئے ہیں۔ کہنی خود تو ذہنی طور پر تیار ہو کے بچہ ایڈ اپٹ کر بینچے مگر انی قیمتی کو اعتماد میں نہ لے سکے۔ ایسا زیادہ تر جو اسٹنٹ قیمتی سسٹم میں رہنے والے جوڑوں کے ساتھ ہوا ہے۔ ان کے گور لیے بچوں کو مال باب تول میں لیکن دادا دادی، نانا نانی، خالہ، پھوپھی بننے پر کوئی تیار نہیں۔ یہ بچے احساس کرتی کاشکار ہو چکے ہیں۔ ایک قیمتی میں پر درش پانے کے بعد ان میں جو اعتماد ہونا جلیسے تھا، ان کی ذہنی نشوونما جس طرح ہوئی چاہیے تھی وہ مفقود ہے۔ صبح شام انہیں اس گھر میں رہنے والوں کی تحریر کا سامنا کرنا رہتا ہے اور بہت سے کھسز میں یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بچہ کو، لینے کی کوئی نہیں وجد نہ ہونے کے باوجود متول خانہ ان ایسا کرتے ہیں اور عذتی میں لوگوں کی واہ واہ بھی مینت ہیں کہ وہ کسی شیم کے سرپرہ ہاتھ رکھ رہے ہیں، میں جسے اپنے بچے کے نگاہداری میں اور رکنیت میں ہے۔" وہ کہا۔

مرر رہنے والی فرخنہ نے اسی بچے دیکھنے کا اہم اور انتہارے

رنگر پنول۔ ”
”اسٹوپ۔“ مسز نیلو فرشار کے لبوں پر مسکراہت
رسک گئی۔

”اور رہا مندی کے فنکشن میں شرکت کا سوال تو
میں میں بور ہو جاؤں گی دہل۔ کسی سے خاص
عملیک سلیک بھی تو نہیں۔“

”تو کوئے“ انہوں نے مشورہ دیا۔ ”حق نواز کی
فیملی سے تمہیں اپنے زمزبر محسانے چاہئیں۔“ انہوں
نے وہ بات کی جو پہلے بھی ذکر کے چھپے الفاظ میں کئی بار
کہہ چکی تھیں۔

”آپ کو پتہ ہے کہ جن لوگوں سے میرا مزان نہ ملتا
ہو، میں ان سے زیادہ سکھلتی ملتی نہیں ہوں۔ حق نواز
سے دوستی کا مطلب ہے نہیں کہ اس کی ساری فیملی سے
میری فریکیو ننسی ملتی ہوگی۔ کچی بات تو یہ ہے کہ میں ان
کے لیے ”ایلمین“ ہوں۔“

”کیا ہے حق نواز اور تمہاری دوستی۔ صرف دوستی
ہے؟“ پہلی بار انہوں نے کھل کے یہ سوال کیا جو
انہیں اکثر تنگ کرتا تھا۔

”آپ کو کیا لگتا ہے؟“ وہ اٹھ کے بیٹھ گئی اور ان کی
سامنڈ نیبل پر پڑا ریکارڈ کا چارٹ اٹھا کے دیکھنے لگی۔
”تم میری بیٹی ہو لیکن پچی بات یہ ہے کہ اس کے
باوجود میں حتی طور پر تمہارے بارے میں کچھ کہ
نہیں سکتی، البتہ حق نواز کے ہر انداز سے مجھے محسوس
ہوا کے وہ نہیں پسند کرتا ہے۔“

”پاگل ہے وہ۔“ رومیہ نے سر جھٹکا۔

”اس کا مطلب ہے میرا اندازہ غلط نہیں سپاگل، میں
ہو گا جو پھر سے سر پھوڑ رہا ہے۔“ مسز نیلو فرشار نے اس کے
بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

”اس نے بھی کچھ کہا تھا؟“

”کئی بار، لیکن اس کے کہنے سے کیا ہوتا ہے۔“
اس نے شانے اچکائے اور مسز نیلو فرشار بار چڑھیں۔
”ہاں، اس کے کہنے سے بھلا کیا ہونا کے لئے تو
ماں کے کہنے کا اثر نہیں ہوتا۔ وہ بے چارہ کسی تھی
میں۔“

دنیوں کے فنکشن ایک تو بہت رات تک چلتے ہیں،
لہسرے فضول کا شور شرابا۔ اتنی حکمن کے بعد کہاں
مل چاہتا ہے میں!“

”لہر کاں تو ایے فنکشنز میں جانے کے لیے
ساری حکمن بھول جاتی ہیں۔ تم نے ہی کام اور بے دلی
کو اپنا اوڑھنا پھوٹا بنا رکھا ہے۔ بیٹا! اپنی عمر کی لڑکیوں
کی طرح رہا کرو۔ ضروری نہیں کہ جاب کرنے والی
لڑکی مشین ہی بن جائے میں خود شادی سے یہ ملے سے
پریکھیل لائف میں ہوں۔ اپنی خالہ کو دیکھو، بینک کی
جانب کرتی ہے، بھٹے سے دس سال ہی چھوٹی سے لیکن
اس نیپٹاپ سے رہتی ہے جیسے تم سے چار پاچ سال
بڑی ہو۔ ایک تم ہو کہ اپنا خیال رکھتی ہونہ اپنی
ذریںک کا۔ کہیں آنے جانے کی عارت ڈالو، دوست
بناؤ تو تمہیں اوڑھنے پہنے کا شوق بھی ہو۔“

”ہے ناشوق۔ بہت ہے۔ اب اس کا کیا کیجئے کہ
خاصی بد ذوق ہوں۔ ہمہ شے تو آپ میری شانگ میں
سو سو کیڑے نکالتی ہیں۔ بھی آپ کو گلر زڈل لگتے ہیں،
کبھی اشائل آؤٹ آف ڈیٹ سے بد دل ہو کے میں
نے تو بننا سنورتا ہی چھوڑ دیا۔“ وہ شیرارت سے
مسکراتے ہوئے سارا الزام ان پر رکھ رہی تھی۔

”بہت خوب سے یوں باسیں بنائے موضوع نہ بدلو۔
میں کہہ رہی ہوں، اچھا سا سوٹ نکالو، تیار ہو جاؤ اور
مندی کے فنکشن میں ضرور جاؤ۔“

رومیہ صدھر میری جان سے خوش رہا کرو ہا کہ میں بھی
خوش رہوں۔ تمہیں عام لڑکیوں سے مختلف زندگی
گزارتے دیکھ کے مجھے اپنا آپ مجرم لگتا ہے جیسے
”پلیز می! اس میں گلٹ کی کیا بات ہے۔ اپنی اپنی
عادت ہوتی ہے۔ مجھے زیادہ شور شراب اپنڈ نہیں۔ اس
کا مطلب یہ تو ہے کہ میں خوش نہیں ہوں۔ کیا آپ
کو اپنی خوشی کا لیکن دلانے کے لیے ضروری ہے کہ
میں شمارت شرکر کے سماں تھیر دھوٹی شلوار کریکی یا پیالہ
رہو۔ شلواریں رہنولہ۔ سفتے میں دوچار مرتبہ پولی پارلر
جاوں۔ بالوں میں اسٹریکنک کرو اوس کو ڈارٹ ٹھرکی
رہیں۔ اپنے اسٹریکنک لگا کیں، ٹھانٹلے میں کنڈ جوں لڑکہ آتے ایئر

وایسی پہ میں نگی کے لیے نافی لینے رک تو رکھا تو
توبہ سرzel کو جا۔ ”زیتون نے اپنی کو کے والی محلی
کی تاک خرچھائی۔

”فعغ کر۔ یہ محلہ ہی کوچے (بد صورت) بلوں کا
ہے ذرا کوئی ڈھنک کی شکل نہیں، سوائے میرے
آصف کے۔“ یہ اترالی۔ اس کی پھوپھی بانو بھی اسی
محلے میں رہتی تھی، اسی لیے تو آصف کا روز روز کا آہ
جانا تھا۔

”ہائے نہیں باتی! بملی نے مزک بمن سے آما۔
”صادر بھائی جان کے ایک کنک جیں بڑے
اسارٹ سے وہ آج کل دکان پر ہوتے ہیں۔“

”بھی صبح زیتون کے گھر سے نکلتے ہوئے تو میں
دیکھا تھا۔ صادر کا بدھا البا بیٹھا کھانس رہا تھا۔“
”اچھا۔ کل جب میں میں لینے آئی تھی، تب:
وہی تھے بدانہس کے بات کی۔ ایک چیزوں کی بھی دیکھی۔“
”چل حمیرا! ذرا دیکھیں تو سی لیا پتہ ہمیں بھی
ایک ایک چیزوں کی مل جائے۔“ زیتون نے آنکھ ماری۔
وہ خاصی دل پھینک ہیگی۔

”ارے واہ، دیدہ دیسری تو دیکھو۔ اب دلن دیساڑے
ڈاکے پڑنے لگے۔“ زیتون نے دکان پر پہنچتے ہی
آنکھیں مشکا کے کما۔

”جی، کیا مطلب؟“ اسی دن والے لڑکے نے حرمت
سے پوچھا۔

”یہ تو صدق بھائی صاحب کی دکان ہے، آپ
جناب یہاں کیا آگر ہے ہیں؟“

”ڈاکا ڈالنے والے سب کچھ سیست کے جلتے بنتے
ہیں مس! جائے و قومہ پہ بیٹھ کے مطالعہ نہیں
فرماتے۔“ اس نے رسالہ لہرا کے دکھایا۔ زیتون کی
بجھ میں اس کی گاڑھی اردو نہ آئی۔ وہ جیسی ان پڑھ ہی
جبکہ حمیرا جو پارچ چھ جماعتیں پڑھی ہوئی تھیں مگر ا
دی۔ شکل و صورت میں وہ کوئی حور پری نہ تھی لیکن
زیتون کی نسبت بہتر تھی۔ اچھا پہن اور بھکر کے اور بھی
اچھی لگتی۔ بساط بھر میک اپ اور ہمار سنگھار زیتون نے
بھی کر رکھا تھا لیکن حمیرا کے کانوں کی سونے کی بالیاں،

”اوہ ہو مگی۔ کیوں بے کار کی سنشن لے رہی ہیں
آپ۔ اب یہ کوئی مسئلہ ہے جس پر آپ سر کھا رہی
ہیں۔ دو دن سے بی پی نارمل ہے، جو آپ سے برداشت
ہیں، ہو رہا۔“

”بے کار کی سنشن! تم میری بٹی ہو، تمہاری عمر
شادی کی ہے کیا مجھے سنشن نہیں یعنی چاہیے۔ بے
چارہ حق نواز اتنا بھلا لڑکا۔“

”اچھا بابا۔ چلی جاتی ہوں میں اس بے چارے
بھلے لڑکے کے بھائی کی مندی پر۔ آپ کیسیں تو لہنگا
پس کے، بلوں میں پراندہ اور کانوں میں جھمکے بھی ڈال
لوں؟“ اس نے بحث سے جان چھڑانا چاہی۔

”تمہیں اس طرح دیکھنے کا امر مان تو ہے مگر تمہاری
ایسی شادی پر۔“ انہوں نے اس کا چھوہ ہاتھوں میں تھام
کیے اس کی پیشانی چوی۔

”مگر میں اکلی جاؤں گی اور اس شرط پر کہ دری ہونے
پر آپ پریشان نہیں ہوں گی۔“ آپ کے پاس گھر
رہے گی۔ میں آپ کو رات کے وقت اکیلانہیں چھوڑ
سکتی۔ ہاں پندرہ پندرہ منٹ بعد فون ضرور کرتی رہوں
گی۔ پر اس۔ ”وہ تیار ہونے اٹھ گئی۔

گھر آنے تک اس کا کوئی ارادہ نہ تھا مندی میں
شرکت کرنے کا لیکن ماں سے گفتگو نے کچھ اس رخ
پلنا کھایا کہ وہ منزد نصیحتوں اور بدایتوں سے بچنے کے
لیے جانپہ تیار ہو گئی۔



حمدیرا اور زیتون خوش گپیاں لگاتی، نہیں ٹھٹھھواں
کرتی بازار سے واپس آ رہی تھیں۔ آج چونکہ وہاں
ساتھ نہیں تھی، اس لیے زیتون، حمیرا کے کہنے پر
اسے مگر تک چھوڑنے آ رہی تھی۔ وہ دو نوں آگے
آگے تھیں اور ان سے ایک قدم پیچے بلی اور جی
تھیں۔ یعنی زیتون کی چھوٹی لیزاں تھی جو بلی کی تقریباً
ہم عمر تھیں۔

زیر حمیرا بی جو تیزی گلی پر کچھ بکڑا پر وکلن سمجھ رہا ہے
کہ تابوونگا سا آدمی بیٹھتا ہے۔ اس دن تیرے گھر سے
زیر اثر رکھ رہا تھا۔

نیتی ریشمی جوڑا، بیل والی جوتی اور کلائی پہ بندھی کوتے سے آئی گھری اسے آسوہ خاندان کا ظاہر کر رہی تھی۔ اس چیز نے بھی اس لڑکے کو مجبور کر دیا کہ وہ زیتون کی بجائے دوسری لڑکی میں دلچسپی لے۔

”میں نہیں کہہ رہا ہوں مس؟“

”ہم میں سے کوئی استانی نہیں ہے جو مس مس کر رہے ہو۔“ زیتون نے اپنی سمجھ کا مظاہرہ کیا۔ حیرا کی نہیں چھوٹ گئی۔

”بہت خوبصورت نہیں ہے آپ کی۔“

چھوٹا سا شر تھا، متوسط لوگوں کا محلہ وہ لڑکا اگر کچھ بے باک ہو رہا تھا تو اس کی وجہ ان شوخ لڑکوں کی جانب سے ملی ہوئی شہ تھی۔ جب انہیں کوئی تکلف نہیں تھا تو وہ کیوں شرافت کا مظاہرہ کرتا۔ اس کی نظریں بے باکی سے ان بُنی سنوری لڑکوں کے سراپے اور چھروں پر پھسل رہی تھیں۔

”مسز کہہ لوں؟“ اس سوال پر حیرا کی نہیں اور بھی ”نکھر، ہمیں۔“

”آپ کی نہیں کہہ رہی ہے کہ آپ کو اس پر اعتراض نہیں۔“

”زیادہ پھینے کی ضرورت نہیں، سمجھے۔“ اس نے بڑے ناز سے بھنویں اپکامیں۔

”امید تو رکھ سکتا ہوں۔“

”اس پر بابنڈی نہیں۔ میرا کیا جاتا ہے۔“

”میرا تو یا چ منٹ میں ہی بہت پچھے چلا گیا۔“

”لوحی، ادھر تو ڈانیہ لگ شروع ہو گئے۔ اب گانا مت گانے بیٹھ جانا۔“ زیتون کے لمحے سے رشک اور حسد دونوں چھلک رہے تھے۔ حیرا ہمیشہ اس کو سائیڈ پر کروایا کرتی تھی۔ اس کو جلتے دیکھ کر حیرا کو اور مزہ آیا۔ وہ اس چھینی چھاڑ کو طول دینے لگی۔ لڑکے نے دونوں کو لفخنڈی بیوں تکیں بھی نکھولنے تک دیں۔ بچیوں کو کالی پاپ اور حسکے کے پیکٹ پکڑا بیٹے دو پہر دھل رہی تھی۔

کھلکھلے اندرونی غور بیٹل کا آنا جاتا اسی وقت کچھ بھلی رکارتا تھا۔ ہمیں ہمیں ہمیں کسکو اور کسی وقت کے مقابلے میں کہیں کہیں ہمیں کہیں کے نکڑ پنی اُس دلکان بھس کے شر

سڑک کی جانب کھلتے تھے کی سے بالکل اُنک تھلک تھی۔ سڑک پر سے کبھی کوئی اکاؤ ناولین، رکشہ یا سائیک والا گزر جاتا۔

لڑکا خاصا چرب زبان تھا اور پڑھا لکھا بھی۔ اس نے بتایا تھا کہ ابھی ابھی ایف اے کا امتحان دے کر یہاں اپنی خالہ کے ہاں چھٹیاں گزارنے آیا ہوا ہے، اسی لیے اس کا انداز گفتگو اور پستے اور ہنسنے کا ذہنگی یہاں کے گنووار لڑکوں سے بہت بہتر تھا۔ کچھ اس لیے بھی اور کچھ زیتون کے سامنے شخی بھارنے کے لیے، حیرا مسلسل اس کی حوصلہ افزائی کرتی رہی۔ اس کی تعریفوں پر شرماتی اور مسکراتی۔ اس کے شوخ جملوں کے بے نکلنے جواب دیتی رہی۔

”یہ لڑکے ادھر رہی آرہے ہیں۔ چل حیرا!“ زیتون نے اسے متوجہ کیا۔

”میرے دوست ہیں، گھبرا کیوں رہی ہو۔“ لڑکے کو اپنے یاروں کے سامنے شومارنے کا موقعہ ملا تھا، وہ کیسے ہاتھ سے جانے رہتا، اس لیے روک لیا۔ ان پر رعب جمانا چاہتا تھا کہ ان کے شر اور ان کے تھلے آنے کے دو ہی دن بعد وہ ایک لڑکی پہنچا جا کرے، حیرا گھبرا کے اسی وقت لٹک جانا چاہتی تھی کیونکہ ان میں سے دو لڑکے اسی کی کلی کے تھے۔

”ابھی جانے دو۔ دندوریاں کل پھر آؤں گی۔“

”میں انتظار کروں گا،“ قسم کھاؤ میری کہ ضرور آؤں۔“ کھض بیسی منٹ کی ملاقات میں نوت قسموں دعدوں تک آئی تھی۔

”تمہاری قسم۔“ اس نے اس فلی انداز میں کہا کہ وہ لڑکا بے اختیار اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ بیٹھا۔

”آصف بھائی جانے باجی اور دیکھو۔“ بیلی کی آواز پر وہ کرنٹ کھا کے پلٹی۔

آصف اپنی سائیکل پر سوار ان سے چند گز کے فاصلے پر تھا۔ اس کی گھوری نظروں سے وہ اس طرح خوفزدہ ہوئی کہ اور پچھنے سو جھاتو جو ہاتھ اس لڑکے نے تھام رکھا تھا، وہی ایک جھٹکے سے ٹھیک کے اس کے چہرے پر زور سے دے مارا۔ مقصد صرف آصف پر یہ

دستی نہ تھی۔ شاید عمر اور مزاج کا فرق آڑے آتا ہو۔ وہ چونکہ دوستانہ فطرت کا تھا، اس لیے آتے ہی اس محلے میں ڈھیر سارے دوست بنا لیے جو اسی کی طرح کے تھے۔

”بڑی فتنہ لڑکی سے“ سکتے سے باہر آتے ہی وہ اس لڑکی کو برا بھلا کرنے لگا۔ ”میں تو سمجھ رہا تھا یہاں کی لڑکیوں میں اتنی چالاکی نہیں ہو گئی لیکن یہ چھوڑ شر کی عام سی لڑکی تو بست تیز نکلی۔ پہلے خود فری ہوتی رہی، لفت دیتی رہی، ملنے ملانے کے وندے بھی کر لیے اور جب بھائی کی شکل دیکھی تو تھپٹہ مار کے چلتی تھی۔“

”وہ اس کا بھائی نہیں،“ مگنیت ہے اور بھائی کو بھی کم نہ سمجھتا۔ زیادہ نہ پہنچنک ملنے کے وندے سے او ہو۔“ دوست نے مذاق اڑایا جو یہاں کا سب سے او ماش لڑکا تھا۔ اصل نام تو اس کا نجانے کیا تھا، سب ”ٹلی“ کے نام سے پکارتے تھے۔ ”لڑکی سے مار گھا کے اب جھوٹی کہانیاں سنارہا ہے۔“

”میں بچ کرہ رہا ہوں۔ مکار لڑکیاں بو تھیں بھی پی گئیں۔ دوبارہ ہاتھ آئی تو چھوڑوں گا نہیں۔“ اس نے من پہ ہاتھ پھیر کے قسم کھائی۔

”اچھا چھوڑ، مٹی باؤ یار! ہیرو۔ آج شام کا کیا پروگرام ہے۔“ ٹلی نے سکرٹ سلکا۔ ”پہلے تو ایک کش مجھے لگانے دے،“ میزوڈاون ہو رہا ہے۔“

”نه، ہیرو! پھر نہ کہنا کہ بتایا نہیں،“ اس لیے کہہ رہا ہوں کہ یہ سادہ سکرٹ نہیں، اس میں پریاں بھری ہیں۔“

”پریاں؟ ہیرو! میتے ہو تم؟“ ”او نہیں یا را! وہ گندہ نشہ سے بندہ کسی جو گا نہیں رہتا۔ یہ تو چرس ہے، بڑی ہلکی چیز۔ زا سرور ہی سروب بالکل شراب کی طرح۔ یعنی نشہ تو ہے بھوٹل نہیں۔ اس کا سوتا لگانے سے اندر باہر پریاں نانے لگتی ہیں۔“

”ہیرو! کی آنکھوں کے آگے تو اس وقت ستارے

ظاہر کرنا تھا کہ چھپٹہ جھاڑ اس لڑکے کی جانب سے ہوئی تھی۔

لڑکا جو نی نی محبت کے خمار میں ڈوبتا، ایک لڑکی کا ہاتھ تھا مےنجانے کن جہانوں کی سیر کر رہا تھا، تھپٹہ کھا کے پہلے تو ہر رہا کے رہ گیا۔ اس نے بے یقین سے اس لڑکی کو دیکھا جو تقریباً آدمی ہے لفٹے سے اس کے ساتھ تفریغ کر رہی تھی اور اب چہرے پر غصب ناک تاثرات لیے اسے گالیاں دے رہی تھی۔ دو قدم کے فاصلے پر کھڑے اس کے دوست اس کی بے عزمی کا تماشا دیکھ رہے تھے۔

آصف بھی سائیکل کھڑی کر کے آگے بڑھا۔ اس کے ارادے ابھی نہیں لگ رہے تھے حمیرا کے اشان کرنے پر نہ تو نہ اسے آگے جانے سے روکا۔

”جانے دو بھائی جان! ایسے ہی کوئی لفڑگا ہے۔ حمیرا نے اچھا سبق سکھایا ہے۔ آپ جاؤ گے تو بات بڑھے گی۔ اپویں بیچاری کی بد نامی ہو گی۔“

”تو کیا میں بے غیر تو اس کی طرح چپ چاپ والیں چلا جاؤں۔“

”اسی میں عقل مندی ہے۔“ حمیرا نے بھی آہستہ آواز میں کہا۔ ”اگر میرا بھائی یا چاچا ماما لڑتا تو اور بات تھی۔ تم مگنیت ہو۔ لوگ یہی کیس کے، اس لڑکی کے پہنچے دو لڑکے مار اماری کر رہے تھے۔ میں بد نام، ہو جاؤں گی۔“

آصف انہیں لے کر گلی میں گھس گیا۔ دوسری جانب وہ لڑکا بھی تک گھل پہ ہاتھ رکھے سکتے کے عالم میں کھڑا تھا۔ آصف وغیرہ کے جاتے ہی اس کے دوست جو لڑائی جھگڑے کا خطہ محسوس کر کے دور کھڑے تھے ٹک کے اس کیساں آئے۔

”یہ کیا تماشا تھا؟ ہوئے تھے کیا ضرورت تھی اس کا ہاتھ پکڑنے کی۔ اپنے آپ کو بچ بچ کا ہیرو سمجھ بیٹھا تھا۔“ یہ بھروسہ دوست کا تھا جس نے اسے کسی تونک میں بیرو کا خطاب دیا تھا اور اب سب کسی اسے ہیرو پکارنے لگتے تھے۔ دیسے تو وہ صادق کی خالہ کا بیٹا تھا، رُدیکن صادق اور اس کے چھوٹے بھائی نے اس کی زیادہ

اڑپے گا۔”
“پلیز بھائی جان! وہ کم برائی۔ اس کا سارا سرال
یہاں موجود تھا۔ شوہر بھی کمیں آس ریاں تھا۔ اگر کسی
کے کانوں میں بھنک رہ جاتی تو اس کے لیے سورتِ حال
خطرتاک ہو سکتی تھی۔

”تمہارے چہرے پر بارہ کیوں بجے ہیں۔“ حق نواز
کیمرو لینے اندر آیا تو فوزیہ کو آف موڈ کے ساتھ بینٹا
دیکھ کے پوچھا۔

”تمہارے بھنوئی صاحب سے جھڑپ ہو گئی ہے
کیا ہے؟“

”شکر ہے ان کا دماغ نہیں بھرا ہوا جو وہ شادی والے
گھر میں ایسی حرکتیں کرتے پھریں۔“ حق نواز بھی اس
سے بڑا تھا لیکن شاہ نواز کی نسبت وہ اس سے
بیکلف تھی اور دل کی باتیں بھی کہہ لیا کریں۔

”قسمت تو اس پر باری کی خراب ہو گی جو کل اس
گھر میں دہن بن کے آئے گی۔“

”کیسی باتیں کر رہی ہو، امی نے سنا تو فوراً بد شکون کا
فتونی صادر کر دیں گی۔“

”بالکل صحیح کہہ رہی ہوں۔ ہر بات میں اعتراض،
ہر چیز میں خراں ڈھونڈ لیتے ہیں بھائی جان! چلو اپنی بسن
کی حد تک تو ٹھنک ہے، اب کسی غیر پر اپنے
اعترافات ٹھوننے کی کیا تک ہے زیر اپنی بنس تک
بارے میں بست حسas ہیں۔ انہوں نے ان کے
خیالات سن لیے تو بست مائنڈ کریں گے ان کے
زندگیں تو ان کی بسن اب تک بچی ہے بھائی جان کی
طرح نہیں، جنہوں نے بمحض بچپن میں بھی بھی دوست
کے گھر جانے ریا نہ خود کمیں تفریخ کے لیے لے کر
گئے۔ ایسے حالات میں میں ان کی ہونے والی بیوی پر
ترس نہ کھاؤں تو اور کیا کرو۔ کیا بنے گا بچاری کا۔“

”فکر مت کرو، میرا مشاہدہ کرتا ہے کہ ایسے مرد
نہیں کھاک قسم کے زن مرید ہابت ہوتے ہیں اور یہ
جو تم اپنی بھا بھی کے لیے اتنی ہمدردی و کھا رہی ہو، تب
جل کر دہاپیاں دے رہی ہو گی۔“

”جی نہیں، میں اس قسم کی نہ ثابت نہیں ہوں

تاج رہے ہیں۔“ ایک یار نے نہاد اڑایا۔ اس نے
غصتے کمارے ملی کے ہاتھ سے گرفت چھین گی۔
دھوئیں کے مرغولے بنا تاہہ اب تک ذہن میں
اس لڑکی کو مزہ چکھانے کے منصوبے بنارہا تھا۔



آج ان لوگوں نے لڑکی والوں کے ہاں مندی لے
کر جانا تھا۔ تیاریاں عروج چھپے چھیں۔

”فوزی! یہ تمہاری نند لیا پس کے آگئی ہے۔“
شاہ نواز نے بسن کو روک کے پوچھا۔

”لہنگا۔ وہی جو میں نے پہنچا ہے۔“ اس نے اپنے
لباس کی جانب اشارہ کیا۔ وہ دونوں بھائیوں کی اکتوپی
بسن تھی اور کچھ عرصہ قبل، ہی اس کی شادی ہوئی تھی،
اس لیے خوب ارمان نکال رہی تھی۔ ابھی بھی اپنا
عروی میوں بھاری کام و الامنگا پنے ہوئے تھی۔

”اور آج تو زیادہ تر لڑکیوں نے لہنگے ہی پہنچنے ہیں۔“
اس نے اپنی چھوٹی سی بیوی کی پونیاں بناتے ہوئے
جوادر دیا۔

”مگر اس کا حلیہ تو کھو،“ اتنی چھوٹی قیص اور روپیہ
بھی نہیں لیا۔“

”بچی ہی تو ہے بھائی جان!“ فوزیہ کو براہ کا لیکن وہ
ظاہر کے بغیر بول۔ شادی سے پسلے وہ بھائی کی بے جا
روک نوک کاشکار تھی سیکن اب سرال میں ماحول
دوستانہ اور کھلاڑلا تھا۔ اب اسے اپنے بھائی کی بے جا
تنقیہ چھپتی تھی۔ اپنی بارہ تیرہ سالہ نہ کے بارے میں
ان کا تبصرہ اسے اچھانا لگا۔

”بچی سے تو کیا بے لگام چھوڑ دیا جاتا ہے۔“ وہ
تیوری چڑھا کے پوچھنے لگا۔

”پتہ نہیں امی نے کیا سوچ کے تمہارا رشتہ یہاں
ٹھکر دیا۔ بعیب آزاد خیال اور بگڑے ہوئے لوگ
ہیں۔ بچت توڑ رہے کہ ان کی صحبت میں تم بھی بگڑنے
چاہو۔ بزرق آج چھوڑ نیلا ہے، مل بھی کٹوا لیے ہیں، اب
لہمہ اور کیا بہنا باقی ہے۔ میں تو کتنا ہوں اپنی بچی کو اس
ہاہوں سے انہی سے بچا گکر رکھنا۔ اس گی تربیت پر برا

کو زیادہ دیر ہو گئی تو اکیلے ڈرائیور کے جانا مشکل ہو گا۔ ”

”اوکے“ اس سے زیادہ کچھ کہہ نہ سکا، ورنہ اسے اکیلے آنے سے روکنا چاہتا تھا۔ جانتا تھا کہ ردمیہ صہبہ بست بالاعمار ہے، اس کے گھر کا راستہ بھی خاصاً بارونق ہے رات کے آخری پرسک وہاں ٹرینک روائی روان رہتی ہے اور یہ بھی کہ اپنی پیشے درانہ فرانف ادا کرنے کے لیے باوقات وہ اس سے بھی زیادہ رات تک اکیلے ڈرائیور کرتی ہے لیکن یہاں اس کا اکپلا آنا اس کی ایسی کمزید مخترض ہونے کا موقعہ فراہم کر سکتا تھا۔

”کس کا فون تھا؟“ وہ جانتا تھا کہ ایسی یہ سوال ضرور کریں گی اس لیے جواب بھی پہلے سے تیار تھا۔

”ایک دوست کا۔“ یہ جواب کچھ ایسا غلط بھی نہ تھا۔

”کون سی دوست کا؟“ انہوں نے لفظ ”کون سی“ کو خاصاً چھاپتا کر اور معنی خیز بناتے ہوئے کہا۔ حق نواز گڑبردا کے رہ گیا۔ کوئی جواب نہ دیتے ہوئے اس نے ذیک میں لگئے گیت کا والیم تیز کر دیا۔



چھوڑ کے گھر سنان سماں
لوٹ چلی مہمان سماں
دلیزوں کے کھلی نزالے
ہریالی کے دیھے بھالے
سو سوو ہم گمان سماں
لوٹ چلی مہمان سماں
”سورا! انکل جی آئے ہیں۔“ بیش کی آواز پر وہ

کسی گھرے خیال سے چوٹکی۔

وہی کھرو تھا۔ وہی کھڑکی سے اور وہی ٹھہرے۔ اس کا سامانہ سا کرہ جو کم سامان ہونے کی وجہ سے ہمیشہ کشاہ محسوس ہوا کرتا تھا، آج کھچا کچھ بھرا ہوا تھا۔ مہندی کے بے تحال، مشھائی کے توکرے، ہار گھر کے۔ ان سب کو مہمان پکوئی سے بچانے کے

”تم لوگ اس وقت کون سی باتیں چھیڑے میٹھے ہو۔“ ان کی ای تیزی سے اندر داخل ہو میں۔ عجلت ان کے ہر انداز سے نمایاں تھی۔

”مہندی لے کر نکلنا نہیں ہے کیا؟ شاہ نواز ویگن میں سب لڑکیوں اور عورتوں کو بھارہا ہے۔ تم چاہو تو میرے ساتھ گاؤں میں بیٹھ جانا۔ جلدی کرو۔“

”ویگن۔ وہی سیاہ ٹیشوں والی بڑی سی ویگن جو بھائی جان کے دوست کی ہے؟“ فوزیہ نے کھڑے ہو کر دوپہر سنبھالا۔ ”ان کا بس طے توفیق کی لئے بکترینڈ گاؤں میں ہم عورتوں کو لے کر جائیں مگر کسی کی نظر نہ پڑے۔“

شاہ نواز اگرچہ اس وقت ساتھ نہیں جا رہا تھا مگر کچھ دری بعد اپنے والد اور تماں کے ساتھ وہیں پہنچنے والا تھا کیونکہ مہندی کی رسم ادا ہونے کے بعد نکاح کیا جانا تھا۔ یہ ان کے ہاں کا رواج تھا۔ شادی سے کچھ روز قبل یا پھر مہندی والی رات کو ہی نکاح کا فرض ادا کروایا جاتا تھا۔

”ہسلوو۔“ گاؤں میں بیٹھتے ہوئے حق نواز نے سل فون پر چکتے ردمیہ صہبہ کے نام کو حیرت سے دیکھتے ہوئے کانوں سے لگایا۔ وہ یوں کہہ ہی فون کیا کرتی تھی؟ اس لیے اس کا پہلا خیال اس کی بھی کی جانب ہی گیا کہ کہیں ان کی طبیعت خراب نہ ہو گئی ہو۔

”رسم شروع ہو گئی ہے کیا؟“ دوسری جانب سے بالکل خلاف توقع سوال کیا گیا۔

”ابھی کہاں ہے، ابھی تو روائی ہو رہی ہے۔“ ”وہاں کا جو ایڈریس کارڈ پر درج ہے، مہندی وہیں ہو رہی ہے یا کسی ہاں میں؟“

”وہیں۔“ اس نے ماں کی موجودگی کی وجہ سے مختصر جواب دیا۔ البتہ لبیوں پر آتی مسکراہٹ اور آنکھوں میں زینکنک پیدا ہوتی چمکتی رہنے والی کبوتر کچھ آسمجھا دیا تھا۔ ان کی تالواری یہی ظاہر کر رہی تھی۔

”رہا، نہیں۔“ میں پہنچ دیں تو ہی اور انہیں زیادہ دیر کروں گے۔ میں پہنچ کر کے پاس چھوڑا سے اور رات

لیے سب سے محفوظ کرہی تھا، اس لیے ان کا ذہیرہ
صوفی اور کاریث پڑا ہوا تھا۔ اس نے غیر ارادی طور پر سرے زرا گھستا ہوا سترے گوئے سے سجا بزر اور پیلا چڑی کا روپہ اور آگے تک کھینچ لیا۔ بینش نے حیرت سے اسے آرھے چہرے تک آپھل پھیلاتے اور قدرے زر اسارخ موڑتے ہوئے دیکھا۔ اس کے گھر کا ماحول بست دوستانہ تھا۔ وہ اور اس کی بینیں اپنی نامائے زیادہ بیلیا سے قریب رہی تھیں لیکن سورا سے چار سالہ دوستی کے دوران اس نے محسوس کیا تھا کہ وہ اپنے ابو سے کرتاتی تھی۔ اس کا سامنا جب بھی سورا کے ابو سے ہوا، اس نے انہیں بست مشق اور فرم خوب پایا پھر پیٹہ نہیں کیا وجہ تھی جو وہ ان کا سامنا ہونے پر گھبرا جاتی تھی۔ بینش نے اس کے ابو کو بھی کبھی اپنی بیٹی سے رسمی یا ضرورت کے چند فقرے کرنے کے علاوہ کوئی دوسری بات کرتے نہیں دیکھا تھا۔ آج شاید پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ انہوں نے اس کے کمرے میں قدم رکھا تھا۔ کم از کم بینش کی موجودگی میں تو پہلی بار۔

سورا سر جھنکائے بیٹھی اپنے ہاتھ مسل رہی تھی۔ ”انقل جی! آپ کو سورا سے کوئی بات کرنی ہے تو میں باہر چلی جاتی ہوں۔“ بینش نے انہیں کافی دری تک بیٹی کے سامنے چپ چاپ بیٹھنے دیکھا توں اکھی۔ ”دنیں۔“ ان کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ ابھر کے معدوم ہو گئی۔ انہوں نے نظریں انھا کے سورا کی جانب دیکھا۔ اس کی آنکھیں دُبڈیا رہی تھیں۔ ان کا ہاتھ کیکا تا ہوا آگے بڑھا اور اس کے سر پر گھیر گیا۔ اس کا سر پچھے اور بھی جھک گیا۔ گود میں دھرے ہاتھوں پر آنسوؤں کے چند قطرے گرے تھے۔

”تمہیں اللہ کی امان میں دیا۔“ کہتے ہوئے وہ انھوں کھڑے ہوئے۔ ”اللہ کے جانتے نہیں بعد اسکے آئے اپنا سرد دیوارہ کھڑکی سے نکلا رہا۔“ ”اممِ نکل تی بست اداں لگ رہے تھے تمہارے جانہ بنو کا خیال تکس کر رہا، و مغلب۔“ ”رلا رلا

بینش کی بات کا اس نے کوئی جواب نہ دیا اور گھولوں بستے آنسو انگلیوں سے صاف کر کے دیباہ نیچوں کھنے لگی۔ بینش دیباہ سے پہناؤنی کے کپڑوں کل پیکنگ کرنے لگی۔ وہ پچھلے دو دن سے سورا کو اس کیفیت میں دیکھ رہی تھی۔
لاکھ جتن کریب ہے پورے رہ جانے تھے رہے ادھورے اماں کے ارمان، سماں گمن لوٹ چلی مسلمان سماں گمن
”اس کے ابا آئے تھے یہاں؟“ سورا کی امی نے اندر داخل ہوتے ہوئے بینش سے پوچھا۔

”بھی سورا سے ملنے آئے تھے۔“ بینش کی بات پر انہوں نے غور سے اپنی بیٹی کا چہہ پڑھنا چاہا جو ہر قسم کے تاثرات سے عاری تھا۔ ”بینش! یہ سرخ دوپٹہ اپنے ہاتھ میں ہی رکھنا،“ میں ادھر ادھر کی کو تھما کے بھول نہ جانا، یہ تمہاری ذرداری سے مندی کی رسم کے بعد کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کے جیسے، ہی لڑکا یہاں پہنچ گا، نکاح پڑھا دیا جائے گا۔ اس وقت اس پلے جوڑ پر بھی سرخ دوپٹہ اوڑھایا جائے گا۔ یہ بڑا برکتوں والا دوپٹہ ہے، میں اس پر بڑے پیری ہی سے دم کرو کے لائی تھیں وہ ان شاء اللہ نکاح بھی ساتھ خیرت سے ہو گا اور آگے بھی کوئی بڑی بلا آس پاس نہ پھٹکے گی۔“ ”بست بھاری دوپٹہ ہے آئی! میں ایسا کرتی ہوں الماری میں رکھ دیتی ہوں۔“ ”چلو،“ ایسا کرلو۔ دیے بھی نکاح کے وقت اسے میں لایا جائے گا۔ بس یہ یاد رے نکاح کے وقت یہ سر ہو۔ ”وہ جاتے جاتے تاکید کر گئیں۔“ بینش مڑکے الماری میں وہ سرخ جھملتا تا دوپٹہ رکھ رہی تھی، اس لیے سورا کے ہونٹوں پر آئی وہ عجیب سی مسکراہٹ نہ دیکھ سکی۔

ایسی مسکراہٹ جس میں طز کے ساتھ ساتھ ایک ہمدردی بھی تھی۔

سمانوں کو گھر جانا ہے
اُدن جھوٹ کسکر جانا ہے
رت کپاس امان سماں
وٹ پلی سہان سماں

رہی ہے میں نے تو انی جانب سے بست چھان پھلک
کے دلمن ڈھونڈی کے پڑھی لکھی بھی ہے اور پردہ،
نماز روزے کی پابند بھی۔ خوبصورت بھی ہے اور
خوب سیرت بھی۔ آج کل کی لڑکوں والی تیزی طراری
نظر نہیں آتی۔“ حق نواز کی ای تفییم بیکم اپنی کسی
عززہ سے بات کر رہی تھیں جو شکل و صورت سے ہی
خاصی جہاندیدہ لگ رہی تھیں۔ ان کی بات سن کر
بڑے بدراہنا انداز میں مسکرا گئی۔

“(نظر نہیں آتی یا ہے نہیں؟ بست فرقے دنوں
باتوں میں تفییم! اور یہ بات تو میں پہلے بھی کہتی تھی۔
اب بھی کہتی ہوں کہ لوگوں کو پرکھنے میں تم بالف کو روی
ہو۔ جہاں اتنا وقت لگایا ہو ڈھونڈنے میں دہل پچھے
عرصہ اور کھبر جاتی۔ میں عمرہ کر کے لوٹ ہی آتی پھر دیکھے
بھال کے جانچ پر کہ کے بات طے کرتے پہلے تو کوئی
بات تم نے میرے مشورے کے بغیر نہیں کی تھی۔
فوجیہ کے معاملے میں بھی مجھے آگے آگے رکھا اور
اب۔“ ان کے انداز میں لگہ تھا۔

”لبس مجھے ڈرتھا کہ اتنی اچھی لڑکی یا تھے سے نکل نہ
جائے یوں بھی عظمت لی لی! اب تفییم ایسی
یو قوف بھی نہیں رہی۔ تمہاری صحبت کا اثر ہے“
انسوں نے اتر کے گردان ہلا کی۔

”آؤ تمہیں اپنے سر ہیانے سے ملواتی ہوں۔
بست سید ہے سارے شریف لوگ ہیں، پیسہ بھی ہے
لیکن نہ اکڑے نہ خرد بآپ نے بھی لنظر ملا کے بات
نہیں کی۔ اتنا انکسار ہے اس شخص میں۔ وہ دیکھو بھائی
فضل کے ساتھ کھڑا باشیں کر رہا ہے، سفید لباس
میں۔“

”ہاں دیکھنے میں تو بھلا آدمی لگ رہا ہے۔ بھائی کوئی
نہیں ہے لڑکی کا؟“
”نہیں، بس یہ تین بھنیں ہی ہیں۔ وہ بڑی والی
ہے اس کامیاب تمہارے بیٹے کے ساتھ بیٹھا ہے
بہت کھاتے پتے لوگ ہیں۔“

”میاں تو اس کا عمر میں خاصا بڑا لگ رہا ہے اور یہ
خود تمیں پنتیس سے زیادہ کی نہیں۔ بڑی والی کے لیے

وہ ایک بار پھر پیچے لان میں دیکھ رہی تھی جہاں اس
کے خاندان کے تقریباً سب ہی لوگ جمع تھے بڑے
کریبوں پر بیٹھے خوش گھووں میں مصروف تھے
لارکیل زریں برق ملبوسات میں اٹھا تی۔ گاؤں اور
دانس کی پریلیش کے بارے میں باشیں کر رہی تھیں۔
نچے یہاں سے وہاں بھاگتے نظر آرہے تھے
کوئی وقت جاتا تھا، جب لڑکے والے یہاں پہنچ
جاتے اور اس کے بعد کچھ گھنٹوں بعد میں وہ اسے
سوپری جائے گی جس کی امانت تھی۔
”امانت یہ؟ کیا واپسی امانت کو امانت کی طرح سونا
جارہا ہے؟“ اس نے افرادگی سے سوچا۔
اس کی نظر گست کے نزدیک کھڑے اپنے بآپ کے
چہرے کی جانب تھی، جہاں ایکاں کی مرست تھہلکنے گئی
تھی۔ انہوں نے دور کھڑی، کسی سے بات کرنی بیکم کو
آواز دے کر اس طرف بلایا۔ شاید لڑکے والے آگئے
ہوں گے۔

اتنے شور اور فاصلے کی وجہ سے سوراں کی آواز تو
نہ کسی تھی مگر اسے اندازہ تھا کہ یقیناً ان کی آواز
جو شیخ ہدبات سے کیپکار رہی ہوگی۔

”لتھے سالوں بعد میں آج ابو جی کو خوش دیکھ رہی
ہوں۔ اللہ میاں جی۔ اگر ان کی یہ خوشی میری
خوشیوں سے وابستہ ہے تو میری دعا ہے اللہ کہ میں
ہمیشہ خوش رہوں۔“ پہلی بار اس نے اپنی آئندہ زندگی
کے حوالے سے ایک خوش آئندہ دعائیں۔

پنکھے لگے دل کو اچانک سکون سا ہگیا۔ وہ کھڑکی کے
نزدیک سے اٹھ گئی اور پردہ گرا دیا۔

۱۔ ریسٹ ریزیٹ : لجھے اٹھیجھے کر ریسٹ ریزیٹ : سریسا

رر ریسٹ ریزیٹ : تو بڑا چھوٹا سے عظیم بستیل لایا بہس دعا کرو
کہ لڑکی بعد میں بھی اتنی اچھی ثابت ہو، جیسی اب لگ
ریزیٹ ریزیٹ سکر ریزیٹ سریسا

ایک آپھ بار اس منی سینما گھر کے خلاف آواز بھی اٹھائی تھی جو یہاں کے کچے فنون کو مخرب الاخلاق فلمیں دکھا کر گمراہ کر رہا تھا۔ مگر ملی ہمیشہ صاف بیج نہ لگتا۔ بد کردار اور بد زبان ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ایک کائیاں شخص بھی تھا۔ اب بھی اس کی باتیں جلتی ہیں۔

”چھا، ہیرو ہے تو یار! ذرا سی لوندیا کھڑے کھڑے دس لوگوں کے سامنے بھرے بازار میں تجھے تم پھرمار کے چلی گئی جبکہ غلطی بھی تیری نہیں تھی۔ تو کوئی اس کے پیچھے گیا تھا۔ چھیر نے ذرا اکڑ لکھو۔ لکے لئے کی بات سنائیں یاد نہیں؟“

اس دن کا تھیرا سے اب تک نہیں بھولا تھا۔ شنزار اور زیتون کی لگائی بھائی۔ وہ پوری طرح سے بھر گیا۔ ”مجھے معمولی دکاندار کہا اس نے؟ میں تو صارق بھائی کی بیماری کا خیال کر کے یہاں گھنٹہ دو گھنٹہ بینہ جاتا ہوں، ورنہ میں اور دکانداری۔ آج تو آیا ہی صرف اس کی خاطر تھا اور اس کی یہ ہمت۔ لڑکی ہے، اس لیے لحاظ کر رہا ہوں۔“

”ضرورت کیا ہے لحاظ کرنے کی۔ بے عزتی، بے عزتی ہے۔ چاہیے کوئی بھی کرے لڑکی کرے تب تو دو ہری بے عزتی ہے۔ بدله لیتا ہی مرد کی شان ہے۔“ ملی نے اکسیا۔

”چل چھوڑ تو اس وقت آؤٹ ہو رہا ہے۔“ فتح کر اس دکان کو۔ شرگر اور میری دکان پر آئے کیا گرام فلم ہے اور کیا نئے نکور سکریٹ ہیں۔ سواد آجائے گا۔“ اس کے کہنے پر دکان بند کرنے لگا۔

”وہ دیکھ، اسی پٹاخے کی چھوٹی بن، پھر بھری۔“ تھی نے ٹھوکا دے کر اسے متوجہ کیا۔ سامنے سنسان ٹھی میں سے بلی بے زاری شکل بنائے چلی آ رہی تھی۔“ اور چھ سات سالوں بعد اس نے پتہ نہیں کتنے فسارڈا لئے ہیں۔ بڑی والی سے رو ہاتھ آگئے ہی ہو گی۔“ اس نے زہر خند لیجے میں کہتے ہوئے سر جھٹکا اور شرکو تلا لگانے لگا۔

”دکان بند ہو گئی ہے؟ میں نے گولیاں لئیں

کھانسی کا شریعت ختم ہوا۔ پڑا ہے، یہاں سے تو ملنے کا نہیں۔ میرے سر میں مہندی تھی ہے، سرد ہو کے بازار نکلوں گی تو دو لاوں کی۔ تب تک بے چاری میٹھی گولیاں ہی چوس لے گی، ورنہ کھانس کھانس کے اس کا بخوبی جریہ جائے گا۔“

”امی! میراجی نہیں کر رہا گری میں نکلنے کو، اتنی دھوپ ہے دوبہر کے بعد۔“

”دوبہر کے بعد تو میں بھی رواںے آؤں گی۔“

”اری ذکرہ! فرخ سے کہہ دے۔“ دادی نے کھانتے ہوئے کہا۔

”وہ سورا ہے امال! اور یہ ڈھرام دیے تو اندر بہار کے سو چکر لگائیں ہے، جب میں کسی کام کا بولوں تو اسے موت آتی ہے۔ جاتی ہے یا انہاوس چل۔“

زیتون نے جلے دل کے ساتھ پہ منظر دیکھا اور بغیر کسی سے مخاطب ہوئے وہاں سے نکل گئی۔ اس کا رخ سیدھا صارق کی دکان کی جانب تھا۔

”وہ تو نہیں آ رہی نہ ہی ایسے آنے والی ہے۔ بست تیز لڑکی ہے۔“ ہیرو کے سامنے کھڑی وہ طے دل کے پیچھوں لے پھوڑ رہی تھی۔ اس کا دوست ٹلی بھی پاس کھڑا تھا۔

”وہ تمہارے ساتھ مذاق نہیں کر رہی تھی بلکہ مذاق ایزاری تھی۔ توبہ توبہ اتنے بڑے بول بک رہی تھی کہ میرا تو دل کاں پ گیا۔ بڑا ہی خجوہ ہے اس میں۔ اگر ذرا شکل اچھی ہوتی تب پتہ نہیں کیا حال ہوتا۔ کہہ رہی تھی، اس دو لئے کے دکان دار کو کہنا، اپنی اوقات میں رہے۔ اس جیسے تو ہم گھر پہ ملازم بھی نہ رکھیں۔ نہ منہ نہ متحما، جن پہاڑوں لئھا۔“

”خود بڑی حور پری ہے۔“ ہیرو کا تو غم و غصے سے برا حال تھا، البتہ اس کے دوست ٹلی نے دانت کچکھاتے ہوئے کہا۔ نزدیک ہی اس کی چھوٹی دکان تھی، جہاں اس نے اسنونکر ٹیبل اور دو چار اور گیئر رکھے ہوئے تھے۔ اس بتو ایک دیکھی بھی برکھ لیا تھا۔ فلمیوں کے شو قین اسی منی سینما گھر میں ملکت خرید کے اپنا چھسکہ پورا تیار کر رکھا تھا۔ کے چند سر کر کر وہ افراد نے

نے دس بارہ سال کوست میں لگائے جس۔ ”نسیم بیکم بھی چونٹیں۔ ان کے خیال میں عقابت بند جن کی یادو اشت قائل رشد ہے اور ان کی بات درست ہے تو سورا کی امی تکر کروں رہی ہے۔

”ہاں اور پھر وہل سے سب نام، صندوچ ہوئے یہاں بھاگے بھاگے کیوں آئے۔ یہ نہیں بتا دیا؟“ وہ چمک کے بولیں۔

”تھے وہی ذکر یہ تیس جن کو میں جانتی تھی۔“ یہ بھوک بھول چکی ہیں یا بھول جانے کی اداکاری سنتی ہے۔ بہر حال اگر بھول رہی ہیں تو ذکر کیہ صاحبہ میں پاہا والوں کے بوریوالہ میں جس محلے میں آپ رہا کہیں تھیں۔ وہیں میرے بھائی بھا بھی کام کھر بھی تھا۔ ان کے آپ لوگوں سے اچھے مراسم تھے کیونکہ اس سکھنے کے پھر متمول گمراہوں میں سے ایک آپ کام کھرانہ تھا۔ آپ کے شوہر کوست میں اچھا خاصاً کمار بے تھے۔ ”ان کی آواز اتنی بلند اور انداز اس قدر جارحانہ تھا کہ آس بیاس اپنی سرگرمیوں میں مشغول سب ہی لوگ متوج ہو چکے تھے کئی خواتین تو نزدیک جمع ہو چکی تھیں، اور اصل عصورت حال کا اندازہ ہو سکے۔

”آپ کی تین بیٹیاں اور ایک بیٹا ہوا کرتا تھا، ایک بوڑھی ساس تھی۔ میں نہیک کہہ رہی ہوں نا؟“ ذکر گرنے کے سے انداز میں نزدیکی کر سی پہ بیٹھے ہیں۔ ان کا چہرہ لٹھھے کی مانند سفید ہو رہا تھا۔ ان کی منجھلی بیٹی اور ایک قریبی عزیزہ ان کو سمارا دینے قرب چلی آئیں۔ ان کے شوہر کو کسی نے اس جانب متوج کیا تو وہ بھی ست قدم اٹھاتے اس طرف بڑھنے لگئے۔ ”اب شاید میں بھی یاد آ جاؤں۔ میں عظمت لی لیں،“ اپنے بھائی منظور اور بھا بھی زیخار کے پاس اپنی دنوں رہنے کے لیے آئی ہوئی تھی۔ ”ان ہی“ دنوں پہ بہت زور دے کر بولیں۔ ذکر ہے اپنی آنکھیں نور سے پیچ لیں۔

”میرا بیٹا پیدا ہونے والا تھا، دوڑھائی مینے تک سیاں رُکی تھی میں اس لیے آپ۔ آپ کے ساتھ ہونے والا حادث۔ آپ کا وہاں سے جانا اور پھر آپ کے جانے

تھیں۔“ نہ نزدیک آکے مالیوں سے بولی۔ تب دنوں دیکا نیں چھوڑ کے تیسری دکان تک جا چکے تھے جو تملی کی تھی۔ یہاں دوپہر کے وقت اکثر دکانیں محفوظہ ذیڑھ محفوظہ کے لیے بند ہو جایا کرتیں۔

”کون سی گولیاں، کچی یا پکی؟“ میں نے اپنے پیلے دانت نکالتے ہوئے پوچھا۔

”میٹھی۔“

”وہاں تو ختم ہو چکی ہیں۔ آؤ میں یہاں سے دے دیتا ہوں۔“ اس نے اپنے ساتھ کھڑے دوست کو آنکھ ماری جو نہ سمجھنے کے عالم میں کھڑا نکر نکرا سے دیکھ رہا تھا۔ بیلی نے چند سینڈر کے سوچا۔ گھرو اپس جاتی تو اپنی پچھلی گلی والے کھو کھے تک پیچ دیتی۔ ایک اور چمکتے اس سے بچنے کی خاطر وہ میلی کے ساتھ اس کی دکان میں جلی ہجتی۔

”ذکر یہ! میں تم بوریوالہ کے رہنے والے تو نہیں ہوں۔“ چند منٹ تک تو عظمت لی لی چپ چاپ کھڑی اپنی دیکھتی رہیں جیسے اپنی یادو اشت کھنکال رہی ہوں پھر پورے دوثوق سے سوال کیا تھا۔ ذکر یہ کارنگ فق ہو گیا۔

”عنن۔“ نہیں سسے ہم تو ادھر ہی۔ لاہور سے ہی ہیں۔“ دامیں با میں دیکھتی وہ بڑی بے چارگی سے کہ رہی تھیں۔ اس بات پر عظمت لی لی کاشک یقین میں تبدیل ہو گیا۔

”نہیں، آج سے آئندہ دس سال پہلے تم لوگ بوریوالہ میں رہتے تھے۔“

”نہیں عظمت لی لی! تھیں غلط فہمی ہوئی ہو گی۔“ نسیم بیکم نہ مداخلت کی۔

”ان کے میاں عابد چودھری تو ادھر کے بڑے مشور کپڑے کے تاجر ہیں۔ شاہ عالم مارکیٹ میں ہوں، بیلی کی ہو کا نیں ہیں۔“ رکر رکر را را را را سر را

”عابد چودھری۔ باں کی نام تھا۔ یہ تو وہی ہیں۔ پہلے یہ بوریوالہ میں رہتے تھے اور کچی عابد چودھری کو لیت میں ہو تا تھا۔“

”بھلی یہ تو بتایا تھا! میں رنے ایک بار کہ اپنے کے میاں

لشیم بیکم اپنی ہے۔ والی بھروسے۔ اسے اگھا کرتی ہیں کہ آنے کے بعد، بھروسے۔ اور نہیں۔ میرا امرف بلیتھا ہے۔
باتی ہیں اور سب کے ساتھ اچھی زیادتی کی تھی اور وہ بھی لوگی اور وہ بھی لوگی اور وہ بھی لوگی اور وہ بھی لوگی۔

۳

دوسرا لمحہ اخیری حصہ

ویچے کی طرف آتی سیڑھیوں پر کھڑی تھی۔ اب
اس نے دو ہی زینے ملے کیے تھے۔ اس کے سر
کوئی کے کام سے بو تھل بزر چادر کا سایہ جس سے
چاروں کونے، اس کی بن سیکرا، دوست بیٹھ اور کرکز
رو، مریم اور روشی نے تمام رنگتھ تھے جو اورل بھر
کر صدم پھرئی کھڑی تھیں۔

کھنڈوں کے مل ویچے زمکن پر، سرجھائے بینوں
شخص جس کی سفید داڑھی آنسووں سے گلی ہو رہی
تھی، وہ اس کا باب تھا۔

یہ بین اس کے بھی نہیں تھے۔ وہ بین کرتا غصہ
تحا، سالوں سے کر رہا تھا۔ مگر یہ بین سنلی دیے جانے
والے نہیں تھے۔ اس کی ایک نگاہ ہی سوکے بینے
بھاری ہوتی تھی۔ وہ ایک نگاہ جو وہ سورا پڑالنے کے
بعد اور آسمان کی جانب کرتا تھا۔

اس کی بن حمیرا زرد چھوٹے اتنے عمر سیدھا
ہے۔ رست تھے۔

یہ کسی رنگے بین نہ تھے۔ ہم کون دھائیاں کرے دئے کر رہے
رہا تھا؟

اس کے لئے وہ بین پر نور رہا۔ کہ تو اس کو کسی کر رہا تھا۔ اس کے سوچا اور وہیں
کھڑے کھڑے سب یہ نظر دیتا۔ اس کو کسی کر رہا تھا۔ اس کے سر اضاف نظر آ رہا تھا۔

عظمت بی بی نے گویا سب کے سروں پر بہم پھوڑ

لیکن نہیں۔ ہم پھٹنے کے بعد تو ہاکا ہوتا ہے۔
کرام بیج ہاتا ہے۔ ہر جانب بھگد زیج جاتی ہے
جسکے سلے ایسا پہنچ نہیں تھا۔

اس کے بر ہنکس میں موجود تمام نغوس کو جیسے کسی
نے جلوہ کی چھڑی گھما کے پھر کا کر دیا تھا۔
ہر شخص۔ ہر منظر۔ ہر چیز۔ سب کچھ ساکت
تھا۔ بس ایک چیز بھی جس کی آواز بست تیز بھی۔

یہ مل تھا۔ سورا کا مل۔ جو یوں دھڑک رہا تھا
گویا پسلیاں توڑ کر ابھی باہر آجائے گا۔ ہر جانب ایک
کھنڈ خاموشی ہونے کے باوجود وہ واحد بھی جس کے
ارد گرد قیامت کا شور تھا۔ اس کے کھنڈوں میں سامیں
سامیں۔ دھڑ دھڑ۔ دھک دھک۔ ہر سم کا شور
پا تھا۔ کہیں دور سے بستا اوس سے بین بھی سنائی

ہے۔ رست تھے۔

یہ کسی رنگے بین نہ تھے۔ ہم کون دھائیاں کرے دئے کر رہے
رہا تھا؟

اس کے لئے وہ بین پر نور رہا۔ کہ تو اس کو کسی کر رہا تھا۔ اس کے سوچا اور وہیں
کھڑے کھڑے سب یہ نظر دیتا۔ اس کو کسی کر رہا تھا۔ اس کے سر اضاف نظر آ رہا تھا۔

میں لی بھے۔ مل بخوبی کے زمانے میں اس نے جانشی مل دی۔ سلسلہ اپنے جانشی کی کامیابی کا مثال بنا کر اپنے کامیابی کی کامیابی کا مثال بنا کر مل دی۔ اس کے بعد اپنے کامیابی کی کامیابی کا مثال بنا کر مل دی۔ اس کے بعد اپنے کامیابی کی کامیابی کا مثال بنا کر مل دی۔ اس کے بعد اپنے کامیابی کی کامیابی کا مثال بنا کر مل دی۔ اس کے بعد اپنے کامیابی کی کامیابی کا مثال بنا کر مل دی۔ اس کے بعد اپنے کامیابی کی کامیابی کا مثال بنا کر مل دی۔

ایک عین کیمی پرین۔ ایک عین کیمی میں شرمند کیمی میں شرمند کیمی پرین۔ ایک عین کیمی میں شرمند کیمی پرین۔

ایک عین کیمی پرین۔ نذرِ اللاتِ سین و بین پرین۔ ایک عین کیمی میں شرمند کیمی پرین۔

وہ تھا

وہ کبھی اعتماد ہے اور الائے ہے تو بیل اب تک نہیں
وہ فوج کرینا تو اپنی بیل کے ساتھ اور بستے کوہ یاد
نہیں کرو۔ مبتدہ دہ کرو۔ بیل کیاد نہیں کرنا چاہتی تھی۔

وہ بُن سمجھے تو نکر ہو رہی تھے۔ ادا کی نے کوئی پوچھی بار
مدد ذکر نہ کر آئی۔

مودودی افسوس کیمی کی۔ گی۔ ہے تو بیل اب تک نہیں
بیٹب سمجھے کہ شد پوس لو۔ آرام آبائے کامانی

بیٹ من بیکی ایک ادارہ کو نہیں رو رہی۔

اکی تھے ایک۔ نہ فرمادی۔ آرام سے نہ سمعت ہے۔
کسی بڑے سرستے کو ہمیں لیتے دیتے ہے۔ پہنچے خاتا۔ تم
اکھاریا ہے۔ پکھے اور نہ سمجھا تھے۔ جی کی لمبی کی ملن
سواری کلی میں بیٹی کو حسنہ تے ہوتے۔ ساس کو کوئے
کوئی۔

راز خواہ اپنے سچے جنگی اور نیکوں کو نیلاں اور نہ فوج سکونی ایک کوئی سرستے کے ساتھ ایک۔ پہنچے ایک۔
جس ہاٹے ہے ایک ایک۔ ساتھ ایک۔

راز خواہ اپنے سچے جنگی اور نیکوں کو نیلاں اور نہ فوج سکونی ایک کوئی سرستے کے ساتھ ایک۔ پہنچے ایک۔
جس ہاٹے ہے ایک ایک۔ ساتھ ایک۔

بچوں اور راہ سوئیں تھیں۔
تیکھے لور لہو، دہلوں، پاہو۔
پیدل پستہ، اس میں میں ایک توہہ بیہاد لبرہ،
قہ مل نہ ملی بچہ سہ بانہ، جنہیں کہاں پڑھے،
س سے مل کے مارہ زرب ہوتے ہیں۔
وائے میں بھینی اس لئے بیوی، فرسوں، ہڈیں،
ایک توہہ پستہ مر ہر ہوتے ہیں اول، اوائلیں،
میں پوری بیٹی مل کا۔ صستہ مل بھی مار،
زینہ، ترستہ مل تک کی مر کے پڑھے اونٹے،
خوشے شوق میں لاتکن گھیکیں پڑے کامبھے،
اور پورا سوچ مل پستہ روٹے ہوتے ہیں کہ اول،
کوئی اپنے خیس بخوا رسمجہد میں اماں لڑا کے
وائے میں اپنے لے جاتے ہیں ایک گھنے کے مو

اندر رازہ سترے۔
ایب بات د سرخ تھی بدل نو سل کی خی۔
پہنچیں۔ وہ نہ کنی بارہ مسے کیا کہ کہم۔
پہنچیں۔ راست جھونٹے کا تو سوال ہی پدا اسی ہے،
کہم۔ اس کھنکے کے تارہ آئی پس ناما۔ قدمیں پھونکیں،
کی خواستے یخب ہوتے تیرا خدا۔ شکرانہ، وہ دافنا۔
من لیے ہے جاتب خوف دیساں دامام تھا۔
تابے توئی فن دیا کر لائے۔ خیر میں گیندھا۔
میں رہا ہو گی۔ اسے ہتاو تھیں۔ مگن لسک میں رہی۔
باۓ کنی بدلی کے باکو خیز کوئے ہائے۔ اب
خوب رہی گھر۔
توہہ پر تھے فن بھی ہیلا۔ اسے چاکر لعہ
تے بدل کر دیا۔ اب اراب غرب کو دلت ہو چاہتے ہو۔
ارجح حبرا لامی اسے اپنے لام۔

میکیں بھینی ہواتے پھر کوڑا ہوں۔
لہستہ شرخ تھے۔ شرخ تھے۔ میکیں کوڑا کر کھے۔ سو الائے کے یا پہنے
لکھی۔ کوڑا کھیکھی پڑھی۔ پھر کوڑا کر کھے۔ کوڑا کوڑا کر کھے۔
لٹتھی دنے تے آسے ایسے مذہب۔ پر اندر فتح بالہ۔ اکاہ از کرنا۔ کوڑا کوڑا کر کھے۔
من رکھا کے داہیں لوکے لئے۔ لئے کی مورشن اپنے
لامست پا۔ مشریں بھیجی کر رختھن پچالا کے مرن لگ

س افغان بیانی طوپلی، آغا نہر کی ناگاتشمن
زندگی۔
۴۲۷-۶۱ زیست
ایک پارہ بار سد لواز، اسی باب آیا
نہ مٹھا۔ اس لڑکے کہاں میں، نہ تقد
بل میں۔ بل پہلی جنہیں۔
ذکر یہ ہے۔ پہلی چل بل کی تھی، پھولی
بول کے ساتھ وہ ہاتھ میں پکڑی پہن اپنی کر کے
مٹھا۔
ایک کے اندر پھرتے زندگی بیگ اٹھی۔ وہ وہ بات
و پھولی کے پہن پنج بیسی تھی، فوراً اٹھو
تھیں۔
پہلی میری بل کی ہے کہ ہر بے میری بیگ اٹھی
ٹھیں میں سے ملی ہے۔ چل؟ ہئی موآگے بوجھے
ٹھیں کی دہن کے آگے پڑی بولی تھی۔
ٹھیں کی پہن بیگ اٹھی۔

پہلی نمرکل عکسی نمازِ روح کے لوث رباخات میں
نہ میں کی دہن کھلی دیکھی تھی۔ ”کسی اور نے گواہی
نہ میں پر سب اس بات بجا کے آگے آگے غصیش
راہب سے بھرا فرش تھا۔ ذکر کی کوئور توں نے بہت
ٹکرے پکڑ کے جانے سے روکا تھا۔
وہاں کا شرپند تھا۔ پھر مار کے تلا توڑا اگیا۔ شر
اوٹ نی نہیں۔ پیاہ ناخجی کے نکڑے نظر آئے
ڈسپین کی برداشتے لے کر زکر نے چھپتے میں میں
ہالے کڑے بنی کی کھلائی میں جو حائے تھے، اسی
چھکتے تھے۔

لن کے مکملے میں یہ پسا اولاد تھا۔
جمل ہر گھر میں انہوں اور فرم کا اکابر ہر رات
وہل خوف بھی چلیں گیا تھا۔ اگئے نیوں تکمبوں
نے اپنی بیکیوں کو گھر سے باہر چلایا تھا میں بھی تھے میں
رکھتے دیا۔ البتہ خود وہ عنق درخت نامہ چند مری کے مہ
جاری تھے۔

جانے کی ایک نیسی تھیں تھنڈوں تھے۔ تھرے
لن چوار دنوں میں اس کھڑا پی کیا ہے کہ نہ لڑکا
تھا۔ لئے کی سب سے پہلی بھی نو سل کی مصروفی
کسی درندے کی ہوئی کاشتھا بننے کے بعد بڑے

ان کا جوہن سل میا۔ فریضے میں ابھی

لوہا ہے۔ مل جو اب تھا۔ اسی تھم کا درجہ کیا کہ غلامی کی کوئی تھی۔ اسی کی اگر
مٹھنے کی وجہ سے جس پہنکے کے بے اور لارکے پیٹھے
لے لے دیا۔ لیکن اسکے پیٹھے کی تھیں کوئی ایسی تھی کہ اسی کی وجہ سے
غلامی کا ماریں اتری ہوئی تھیں مگر ویسی سی اور کے اور

نے بنی اہل پڑھ نہ دیے ابتداء لور بے اتوال۔ لایا تھی میرے
کے ساتھ بھی سیرک کے ساتھ دیہ کر لواہ۔ ملا جائے۔ ایک
سلیمانی ہے مژان فاما۔ ہم سب نے تک تعلیم اپنے بھائیوں کی
تم اور اپنی بیویوں کا اتنا تعلیم والا نہ تھا تھا عالم۔ اسی میں میں
چاہیکے طرف روزگار کے چلکریوں، مل میں تھے تو میں اپنے
حرب ڈاہیں نہ کر لتا۔ چھٹے کئی ۲۰۰۰ سال سے اسے
کوہت میں دیکھ دیئے ہوئے اسے اسے قبیلہ قبیلہ کے
بیٹے اثرات مرتب ہوئے ہے۔

اچھے تو یہ کہ خوشیل آہنی حمی۔ اگرچہ بہت غریب
لیں آئی تھیں کیوں نکے اپنی بیوی کے پھوپھوں کو اور شے
خوبی سے والاف ہونے کی وجہ سے وہ اسے میں اپنی
خرچے بیجتا تھا جس سے وہ گمراہ کئے باخوسے چاہیے
سکے بلقی کی بچت اور مستقبل کے لیے سرمایہ فراہم
خود کر رہا تو اور اس میں خلسا کامیاب بھی تھا۔

بڑے اسی تھے کہ حصول روزنگی کے لیے
مکن مقیم ہونے کی وجہ سے وہ اپنی بیویوں کو اپنے مانے۔
پروان جنہیں متندی کیمی سکھانے والی اسیں اپنے خواہیوں کے نام
صفا بیان پال سکتا۔ اتنا تعلیم تو ایک طرف اس کی لذت
گزارے لائق تعلیم بھی حاصل نہ کر سکی۔ ہنکی تھی، اسی
تزویز کرنے شہر کے جانے کے کچھ عی مرصد بعد اسکل
سے انعامی۔ فرش بھی اسکول کی تعلیم کمل نہ کر سکے۔
تحصیل و نمونی پچیال ذہن تھس لور ابتدائی نہ ماند میں
تھس لیکن کمر میں کوئی لون کے اس شفعت کی خاطر
ازہماں کرنے والا نہیں تھا، اس لیے اسے ان دونوں
سے بھی خاص امید تھی تھس۔

لور بیویوں دن رات کی اشک مختد، اس نبیتے
کی تھی کہ رہا تھا کہ بیک بیک بارہ بیا کستن جائے تو پھر اسی تھی
نہ پڑے۔ وہیں کاروبار جائے لور بیلی کی زندگی پڑی
اس کی بیک بیک اور نہیت کی خوبی سے اُڑا بیٹھی تیزی سے اُچھوڑو
خواب ہے۔ سیکل کے لیے وہ اپنے خون پینے کی کلکل میں
نالپر چوہدری ایک شریف شخص نے سوچا۔ اسی خدا
انکن تھا کہ اپنے مل کے بیچے مدد مہیت اُڑا کر کھنکے رہا۔
بیٹھا۔ ایک شفعت بیک۔ اور ایک زرم مزکن شوہر جس

لند ایکی خفت ضرورت تھی۔ اسی ختنے کے اس
کے مدل پر پھر زتے ہوئے ایک تردد کی صورت میں
بیٹھا۔ وہ پہنچ لے گئے۔ وہ سرکی طرف میرے
خشنگ ہے، فیض سے حاہم کے مہم تھے، کا حق۔ میں کوئی
بیرونی مہم اب تھے۔ تھیں قدر کی تھے اسے اس تک
بیٹھنے پہنچے ہیں۔ میں کے میں خیز تھے لے کے ختم میں
مفت میں اونٹے ہیں۔ ابی تھیں وہا اور اس کا
ہوتا تھا میں کوئی چیز کے مصوبہ ہو گئے تھے کہ رات
کے کوئی پرہنسٹی سے اس کی اہلی فکرانے لگا اس
کے لب پر ہوتے ہوئے پڑتے کے ذکر کو کوئی
کی تھوڑی بیکاری کو کھاہا تھا۔ اس بوج کو ہماگی کی
تیزی پر چھٹ مراہیں سے پڑتے کہ وہ گمراہ سے نکل پاتا۔
خشنگ تھے جان اور دوہشان غریب تھے اس کا سر
پتھر کے سنت سے گمراہ اگر اسے قتل کر دیا۔

غیوف وادیٰ ہو پڑتے ہی پوتی کے ساتھی گزرنے
وائے ساخت اور غلاموں کی ہونے والی بد تھی۔
مفت سے خصل تھی اسی غم کو برداشت نہ کر پائی
اور اسکتھت ہو رہا۔ اسکی تکلیف سے تھجکتیاں۔
اُسیے لور اس کے دیر قریب اور شے دار جو پھٹے تین
دوں سے اس شش دش میں کر فثار تھے کہ خالد
چوہدری، گوئی سے کما کر کر لیا اسی لیا یہ کر۔
سرنگ میں یعنی تھی کی درندگی کی بھیت چنہ
تھی۔

یہ اس بات کی کہ تمہارا الکھو بیٹا قتل کے جرم میں
مدد بیک کے چھتے اور اپنا دامن ہوا زلن تعمیل کھو
بیٹھا۔ بیک کر رکھ رکھ رکھ کر اس زبر سکر اسی
لب میں کی مشتعل نہیں ہو گئی۔ وہ غابہ چوہدری کو
اس کی بیک بیک اور نہیت کی خوبی سے اُڑا بیٹھی تیزی سے اُچھوڑو
کر کے چھتے
نالپر چوہدری ایک شریف شخص نے سوچا۔ اسی خدا
انکن تھا کہ اپنے مل کے بیچے مدد مہیت اُڑا کر کھنکے رہا۔
بیٹھا۔ ایک شفعت بیک۔ اور ایک زرم مزکن شوہر جس

تیر کی خست کر کے بند کا طلب کار بھی نہ من
بند اپنے اس سی - بھی تو اک اب اس لعہ دی اور
دین کوئی ختم نہیں بروج کے مانے کے اپنے ہیں اس
خون کے پر اڑاں نے اپنے ہم سماں وہ ریوٹ تو شد
بند کی خست کر کے اس کے اس فیصلہ بروقت
بند قوت ڈھنی تھی لور ٹھری کے آکے
زور بھی تھی - قیامت اس کے خاتمہ نہ پھر
تھی تھی لور بنا کے اس کے کتنے عرصے تک اس خاتمہ
سے بند تھے

تَتَتَ

سب ہرگز - ہر زیاد نہیں کرنا چاہتی تھی -
مرداب اسے یاد آ رہا تھا - ایک ایک کر کے
بھائی -

لہیں ذائقی موڑتے -

بہش میں آتے ہیں وہ ہیں سختی - سختی ہوئی
بھیں بخشکل کھل کے سکی ہاؤں مہین چرے کو
ڈش کرنا چاہتی تھا اس کے ارد گرد کئی انجلن چرے
بنتے

تجسس نہالیہ، ترجم بھرے، ہر طرح کے چرے
ہڈاں - زر کا - پر لس والے کا - یا نہر کسی قیمت
ماڈ فریز کا -

محل کا چبوٹکرنہ آتا - اس کے صرف جیں نہیں
بیشتر یہ ہیں حیرت سے سختی ہو بہت جائے پھر
رہ لشکر کی - بست تکر رہنے کے بعد لستہ یاد آتا، اسرا /
رہ لشکر کی - بست تکر رہنے کے بعد لستہ یاد آتا، اسرا /

رہ لشکر کی - اس کے اپنے اپنے ہیں کہ ایسا یاد نہ رہے
رہ لشکر کی - بست تکر رہنے کے بعد لستہ یاد آتا، اسرا /
رہ لشکر کی - بست تکر رہنے کے بعد لستہ یاد آتا، اسرا /

سچوڑا بھتے ان ایں بھتے چھوڑے
ادی نہیں تھے نہ اللہ میاں تھے

آغوش ہماں کا تھا جو ان شیخاں کو کام وار گزرا۔
پھر پرہنگھس کے اس لہنے کر دیا تھا۔

اچھلے ہے بینے پر تھپت تھپت تھا اپنا سانسی بند
بند محسوس ہوا تو اسے پورا منہ کھین کے سامنے

لیئے کی، شش کی تھی مردہ ایسا لڑکی تھی۔
اور آنے ان لئے ملبوں بعد پھر اس کا بھر مکٹ

ربا تھے مٹ کھونے چاہتی تھی۔ فرم کھانا چاہتی تھی۔
اس بھکے باصول والی ہوت کہ جاؤں کی جعل تھی اور

اس بھکے سروال کی قسم کو جاؤں ہاپ تھا۔ انسیں جیسے
جی کے پکارنا چاہتی تھی مرحوم پھر اس کی تداز بند تھی۔

وہی مجنون ہے حق درست وہی بے بی۔ وہی
ذین فرمیں تھے پھر پھر ملبوں کا تکھا۔

سر ایک تھوڑے کے آگے اندھیرا چھا۔ یہ وہ لہا
کے کرے کلی اور اس کے گرد کھڑی یا پیاسیں لڑکیں میں
سے صرف ایک کے باہم اس سنبھالنے کے لیے
آگ بڑھے تھے۔

یہ باختہ اس کی عزیزاں جان و سوت بیٹھ کیا تھیں
خا جاؤں سے دستی اور غلوص نامہ بھرتی تھی۔ وہ
بیہودی پڑا۔ اپنے ہاتھ سینے پو قدم پیچے بہت شی
تمگی۔

یہ باختہ اس کی لرزدرا امریکی اور روشنی کے بھی نہیں
تھے جن کے ساتھ اس کا لازکین لزرا تھا۔

یہ باختہ اس کی بہن سیرا کے تھے جاؤں کے شہب

بیویش بودہ باشوں میں جھر۔ یک بلک کے روایتی
لر کی کردار تھا جسے آندر میاں تھا تھی۔ یہ بیوی کے لکھنور دا

اں تھے۔ اس بیوی کا نام تھا۔ اس بیوی کے لئے کسی عزیزت سے
لر کی کردار تھی۔ لکھنور دا لکھنور تھا۔ اس کے لئے اس کے
سینی سے والٹنے میں بیٹھ کر لکھنور کے لئے۔

مشینتوں سے ایک کامیاب بولنے نہ چاہیں اور لکھنور کے لکھنور دا
لکھنور۔ اس میں سے ایک رکن بیٹھ کر لکھنور کے لئے۔ اسی بیٹھ کر لکھنور دا

لکھنور کے لئے۔ اسی بیٹھ کر لکھنور دا لکھنور دا
لکھنور۔ اسی بیٹھ کر لکھنور دا لکھنور دا

لکھنور۔ اسی بیٹھ کر لکھنور دا لکھنور دا

پلے اس نے اپنے اندر تاریخی تھے

ترے تارے۔

مابدپ، ہری اور دیکھی تو چھوٹے سے تھکن ہے
رہت تھے۔ البتہ سوارائے ہاں اور خا، فیروز
بروچ کے لڑکے والوں کو سمجھاتے ہی کو شش اپنے
تھے۔

ویکھیں۔ آپ اس طرح والوں مت جو یہ ان
سے یہی ضرار ہے کہ آپ سے یہ بات پھردا
گئے۔

”وہ کیا اشتمار لکھا تھے؟“ عجیب بات کہ رہت
صاحب آپ ”لڑکے والوں کی جنگ سے وہی مجزرا
بولا۔

”بتابھی دستے ہیں یا بوجاتا۔“ آنکھیں، ہمیں مر
کون لکھتا ہے۔ ٹکوئی اور بولا۔

”نہیں۔“ نمیک کہہ، بتے یہ۔ اتنی پوچھ
صاحب لوہے باش پلے کرنے چاہیے تھے۔ تھے تھے
بیکھے کہا۔

”تو سب کو جلن کر تم اپنے بیٹے فارٹے بیدر
کر دیں؟“ ان کے شہر رب نہ از نہ کہا ارئے۔
پوچھا۔

”خشیں۔“ بتے ہی ہزاری جنگ سے ایک دس سو
لیکن ماہر از جنگ تھے جانی ان کی بھی اورہ، برڈ، بھی
کم از میں یہ تھا شاونہ لگتا۔ قاتل صاحب بھی نہیں۔
لے آجھے یہیں اور انہیں داپس، مٹاڑ رہا۔“

انہوں نے چند قدم کے فاصلے پر اپنے
لر کی کردار تھے آندر میاں تھا تھی۔ یہ بیوی کے لئے
لکھنور دا لکھنور تھا۔ اس بیوی کے لئے کامیابی
اں تھے۔ اس بیوی کا نام تھا۔ اس بیوی کے لئے کسی عزیزت سے
لر کی کردار تھی۔ لکھنور دا لکھنور تھا۔ اس کے لئے اس کے
سینی سے والٹنے میں بیٹھ کر لکھنور کے لئے۔

مشینتوں سے ایک کامیاب بولنے نہ چاہیں اور لکھنور دا
لکھنور۔ اس میں سے ایک رکن بیٹھ کر لکھنور دا

لکھنور۔ اسی بیٹھ کر لکھنور دا لکھنور دا

لکھنور۔ اسی بیٹھ کر لکھنور دا لکھنور دا

لکھنور۔ اسی بیٹھ کر لکھنور دا لکھنور دا

کی کوشش کی تھی اس نے پلٹ کر کے لوگ یا۔

سترنچ میں سست پولٹ۔
شاید اسے امداد ادا کرے تھا کہ توت نواز کی بندھ لے لے گا اور
جیسا کہ جو اس ساری صورت میں پولٹ نہیں تو اسی طبق
تھی قرضا کے بلکہ سب سے البتہ ۱۰ سال کی طبق
پس پتے تھے کہ جوست وہ اندر میں اندر شرمندل
کوون کر رہا تھا کہ یہ اس پلے عین دکوکی وجہ
تو نہیں تھے تیرنیاکی نظریوں میں کہا جائے ہے
جسیں بے پارے لوگیں، آن لئے کی وجہ سے ایک
ورقہ بہترین کوڑ بیڑتے گے۔

تمیل ساحب! اُپ بھی، میں یہ نہیں کیتا تھا۔ یوں
سے طبع داہیں سست جائیں۔ اس میں پچھا بیٹیاں، یا
فسرے کو دعویٰ دعویٰ دعویٰ دعویٰ دعویٰ دعویٰ
سرکے ماہل نے آخری کوشش کے طور پر ان
تھیں۔

بے شک اُپ کی پیچی بے تصور ہو گی تحریر، را کیا
فسرے ہے جو تم مفت کی بدھاتی میل لیں اور جمارے
تھے کہا یا فسرو ہے جو اس کے تھے میں یہوی کی بجائے
غیری دلت آئے۔ رب نواز صاحب نے اپنے ہمراہ
لے کر کوں کو روائی کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

کیوں روائی صاحب! برامت مانیں۔ "قیسم بیکم
نے بھی جلتے کہتا انہا فرض جاتا۔" ااغی پیچی کو دعویٰ
ید بے تصور اُپ بے شک کہ لیں لیکن پاک تو ن
کہا۔ "آئھوں میں دھول جمع کئے والی بات
مولی۔ ایک سی بات ہوئی تھا نامان والے جو ہمروں نے
تھیں جتنیں کر رہے تھےں یا خوبی۔ یا کے لئے مجھے
لے کر بخوبی ایک کر رہے تھےں جو اسی کی تھیں۔" میں
خود نہیں پشت کیم۔

اپر شرمندل کی طرف پہنچنے کے لئے اسی طبق اسکے لئے اسی طبق
میں سے اُپ رامیضہاب تمل و جس ۱۰:۰۰ دعویٰ
اسے غیری کی کہ بھانا ہو، جو محظی تھا تھا اور پھر جانے اک
رامنگل کی کوڑی کوڑی کی تھیں۔ اسی کی خاطر اسکے لئے اسی طبق
کوئی ممکن پیدا کرنے کے لئے کہا گی، کہا کہم۔

مرے مارے دلیں بچوں کا رہا۔ صرف بیرا کا اپنیں
ذمہ دار ہو گا جس سوئی ہے۔ وہ محبوس ہیں
وہ تو سے ہے پرست سوت گھر رفت۔
لیکن ہر کے مے کے سہ ہیں سے ماتے ہیں
تیر ٹوٹ کی حادثہ پیدا ہو۔ اس نے طربی کرنے
مرے کے نہ رواز کی صاف یہ بھر برگھتے
ہو۔ مرد پسیے ہر سنکر کے رہیں پہن، اور
لکھوڑی گئی پہنے کو سوچی کاشتیں میں مخفف،
بیخوں جو سوت ہو ان کے جیڑتے تھے اور وہ اس کے
سراب دنوب پوچھتے تو مرد پیش نہیں مباراہن بننے
کے خوبصورتے بہبی کیتے تھے معاشرے
ہے جائے ذکر۔ منہنی کے بے بھائے
قلعے قہقہن۔ ایک پتہ بڑھی دھوکی اس کے
زندگی درجہ میں منہنی لور منہنی کے ذریعہ نوں والی
تسبیحہ بنتے ہیں موتیں لیں گی۔
اپنے کمرے کا رواز بھی بھی کیا تو اس کے ساتھ
کھنڈ۔ سرخالے تھے سب بیٹھے بیٹھ لندروں داخل
ہوئے۔ حیرانے سب پکڑتے ہیں۔ اس کے کچھے
مکے راستہ بے چھین ہو گئی۔

تم بھتے جتنا بھتی ہو۔ میں اتنا ہی تمارے
نہیں کیتی ہو۔ یہ ایک طرف بھت کا ہے سناؤ، مگر بھت
کریے کیں تھریں پھر فردستی میں جاتا ہو گئی
ہو۔

پسے پہن ہا آٹھ کا کلی تھی جب سورا اس کی
غمہنڈ جوشن قدمی کا جواب دیے نہیں دے جاتی گی۔
جیسے ان چوپے قلاسے بھٹکنے نہیں آتھا کہ وہ
بیٹھ سے ڈنگی کر کے آخر کرے کی کیا۔ اور تن
بیس تر ہر ملک ہجرا تو کوئی کٹھنے کیستھے نہیں میکن کرتا۔
مددوں سے مل کا یہ بھجنا کرنے کے لیے اپنے
انوں نے خاص طور پر اسے بنایا۔
دکھ دیا شکنے کے لیے اسی کو دیکھنے کے لیے اسی کو دیکھنے کے لیے
اکی زبان کی گوئیں کہتے ہیں ایک لکڑا ایک لکڑا ایک لکڑا
باندوں کو دکھانے والے اتنی نیکی بیٹھے تھے۔ بیکھر تھیں
کسکے لئے الگ یہ کیے؟ اس کے کیمپ میں اپنے اپنے
بندوں کو دکھانے والے اتنی نیکی بیٹھے تھے۔ کیونکہ پہنچ
رہتے ہوئے اپنے سارے دکھ سانانا چاہتی تھی۔ کر کر
ہوتی بیٹھیں تھی۔ کر کر ہوتی بیٹھیں تھی۔

ان کے لیے اسے بھی دیکھنے کی دہنے۔ بیٹھ کیا اپنیں
ون مکار اتنے کی سوت میں۔ اسے بھی دیکھنے
لئے خداوندی سے اسے نال گئی اپنا آنکھوں میں
کے لئے ساپنے تھے۔ بیٹھے ہیں۔ بھی اپنے
اس کی اپنے اپنے اپنے اپنے اپنے اپنے اپنے
کر کے لئے اس سوت اپنا آنکھا۔ — قہقہے
شہری کی سوت کا ایک دھنی تھی اور اس کے
جیو لوگوں اگرچہ اور اس نے ایک بارہ جنہیں پہنچ
انہیں پہنچیں۔ دیکھنا کوواران ایک ٹاننے بات۔ اس
ست محسوس ہو رہی تھی کہ بیٹھنے کا لعلی شکار
جیز قعوا ایسا جیز دوہوڑا۔ پڑوں گئے۔ اس نے اپنے
اس کی بھجی میں آتھی۔ دیکھ لی۔ پہنچ لی۔ لیکن تو
بہ بیٹھ کی مامنے اور بجاہات اس لی یعنی ہارے
تعریبات میں مدد ہو تھی۔ اور آنے ایک مختل نہیں ہے
لوگ آئے تھے اس سارے زورات۔ اسے
چند منٹ پہلے

"جلدی کرو بیٹھی۔ پہنچے قمار۔" پہنچنے
تھے۔ انوں نے بھلی تو ازاں اسے اور مارا
کیا۔ ایک بیچ نظر سر پر اکٹھری بنتی ہو۔ بالا
"بس نہیں!" بیٹھ کی تو ازاں پکا پہنچت تھی اور
آنہوں کی نہیں بھی۔

"آن کا کچھے سوچے کچھے بخی اسکی اپنے
اس کی یعنی ہا آٹھ کا چھانٹے بنا دیتیں۔" کہتے ہیں
بھتستان کے میں باپ کو رہتا ہے اب دیکھ نہیں
بیٹھ سے ڈنگی کر کے آخر کرے کی کیا۔ اور تن
بیس تر ہر ملک ہجرا تو کوئی کٹھنے کیستھے نہیں میکن کرتا۔
مددوں سے مل کا یہ بھجنا کرنے کے لیے اپنے

اکی زبان کی گوئیں کہتے ہیں ایک لکڑا ایک لکڑا ایک لکڑا
باندوں کو دکھانے والے اتنی نیکی بیٹھے تھے۔ بیکھر تھیں
کسکے لئے الگ یہ کیے؟ اس کے کیمپ میں اپنے اپنے
بندوں کو دکھانے والے اتنی نیکی بیٹھے تھے۔ کیونکہ پہنچ
رہتے ہوئے اپنے سارے دکھ سانانا چاہتی تھی۔ کر کر
ہوتی بیٹھیں تھی۔ کر کر ہوتی بیٹھیں تھی۔

بے ہو ہر بہانے پہ ملائے اے کہ "اٹکن" بیان کے
ان کے جکھے مل پڑتی ہیں تو کہ اتماری ماتحت
ہالمنٹی نے ان یہ وہنے ملائے تو کہ سیری ہمہ نہ
رسائیکنگ کی ایجاد کے پیشہ والا ان کے آدمی
کے بچے۔ نہ میں بغیر من لی ملے۔ نہ پہلے پہنچ
بہ نہ میں رات، نیند میں اور کے جسے فتحی بے
ہے۔ نیز اعلیٰ ہوتا ہے کہ میں تمارا لگ، باول۔
بب میرا بچہ میرامنا بس نے میرا بچہ بتھے تھا اسے میں
سن ہوئے پیچھے دیکھ دیا، میرا لی چاہتا ہے اپنا سر
وہ سزا نوں سے گرا گرا کے بخواہ، اس کم لراولہ۔
آن سو بے افتخار ان ہچڑو بجھٹکتے تھے۔

"اتھ کنی لہ لوز بانے کے بعد بھی جب لوگ
میرے صراتتے ہیں تو ہبھک کو باہم آگاتے ہیں۔ بیلن کو
دنگتے ہیں ابھی تھے آدمی بتاتے ہیں تو اپنے سب
پہنچ کے لے کر میں سے بھاگ جاتے گئی چاہتا ہے
میں نے سون لایا ہے جنم کے شر ہمودیں گے۔ میں
رب ہے اس پیغمبوئے سرمنی یہ واحد بھی پرماتما
نہیں، کہ بلکہ بھی بھی رات کو ڈراؤنے ذواب لکھنا
شمیں پھوڑتے ہیں۔ کم لاہوڑ چلے جاتے ہیں یا کسی
بھی اور نہیں۔ شر میں بھی لاکھوں اتوں کے ہجوم میں
ہے، راہوڑ، گواہ بناتے گئی، ہمیں بچپان نے سکے۔"
انہوں نے شر پیغمبر کے لامیں ملے سناریا تھا۔

تھہ تھہ تھہ

لٹریچر، حنی کا بھائی، مکونی قائمیں سیاپ عرصہ، ۱۹۶۰
تھر رہتے تھے اب میں نے بھی ساتھ پھورا دیا۔ ایک
جن گل بھر۔ جب نے بیلن کے ساتھ اونیٹ وائٹ
کار کے عکس اپنے کھاکہ پیدا کیا تھا کہ میرا ان
پہنچتی۔ ماتحت تھنی ڈڑتے اس کی اور بھی کہہ تو
کے ہاتھ دیکھ رہا تھا، وہ حیر کی طرح۔ بیکھر کر اپنے
عقل کر لیا۔ وہ اب اس شرمنی اس کے لئے نہ نہیں
لا کر سکی تھی کہ کوئی بھی بچہ کا ریکارڈ کر سکے۔

بوجہ، لاءہ، رضاۓ نے ایسا بچہ پاہتھی
محنت اپنے کے نہ کیے ہو۔ سماں نے ۱۹۴۷ء
ایا، جلدی میں خلیج پختہ۔ نہیں کہ اپنے
یہے اور دوسری ایجھے، کہ میں اپنے میں اور
ایک بچی اس مددے۔ بعد ذہنی، پھر فتح
اب وہ ایک سمجھی اونٹی اور اسے اڑانہ تھا
وہ پس میں خلیج پیش کی۔ تمہارے
کے بعد غصہ میں ڈننا تھا۔ ماجد صاحب تھے خود
پہنچنے کا۔ کیا کی تجھے بھی باقاعدہ اور ہمودیں
وہ نئے نئے بھیں بھرپور ہو گئیں۔ میرا بچہ
کرنے اور سیراۓ نجات کی بامث بھجنے
پورے ہاں پہلیا۔

پرانے ٹکڑے میں تھے نظر اسے اپنے جسم کو دیکھ
محسوں ہوتی تھی۔ وہ اتوں کی لامکوں سے اڑنے کا
خیال۔ خیال کہ اکٹھ نہ شر میں اٹھنے جو اونھلے
اوٹوں سے بھی نہ ہجھا اور تھیٹھے تھی۔ بہا، بیا
ہی عمر میں ملے چاہو، اوزھاۓ اسکے سمجھاتے
لکھیے اس کے گرد ایک حصار قائم ہو گیا، لورہ،
اس تھنڈو کو مخفیوں میں سکھ رہا۔

اور پھر سڑھوں میں ملے آتے۔ ۱۹۴۷ء
سے باخبر ہے، پتھی تھی تھی کہ وہ کیا کھو پہنچ ہے۔ لے میں نے
اس کی دوسرویں فرمائیں کہ میں کی فہرستے ہوں۔
پرس کی فرمائیں وہ صرف اپنے بچپن کی تھوڑتی
بلکہ لڑپن کا لذت ہے اور بے طرق۔ اور میں کی
امنگا۔ سب تھوڑے تھوڑے لامکوں کے ساتھ اکٹھ ہے۔
حقیقوں سے زبردستی روشنیں کراوی تھیں جس کے
اسٹ اپنے آپ نہ میں لوکوں کے مقام پر میتھ
قرے۔ بیٹھنے کے شرمنی میں ہو، تو اسی ہے، کہ
لپڑ بھی کہ کہنی تھی۔ ساتھی بیٹھ کے

ٹھہ تھہ تھہ

لاد کر کی تحریک کی گئی کہ کوئی بھی بچہ کا ریکارڈ کر سکے،
سونا اسے الواہ کر کے کہ آنکھیں دے دے

سینے نظرے پر زانیں جو ہو اتنی کی بھت سے جراہا
نہ ہے میرنے نظرے کے ساتھ پر سب خود جاتی
ہیں۔ ترین انسان سے کئی بچہ بپ ہے۔ تجھے
بچہ کو نہیں ترکہ اپنی بھوری اپنی یہ کسی نہیں
شہزادہ میں نہ ہے۔ یہ بچہ صورت
انہوں نے اپنی بیوی کی شفاف پیٹلی پہنچنے
سے بھائی کی مدد پر بھرت دی تھی۔

”ترنے سمجھتے ہوئے میرے اپنیں سمجھتے کی
دشش نیز کی جاتی ہے۔
حق نہ از نے رامیصہ، تاراضی سے دیکھتے ہے۔
اور کیا تم رامیں ہے کہ صرف میرے
سمجھتے بھجنے۔ حق ناز بھولی باراتے جانے
تیار ہو جیں۔ کمی نہیں کریں کہیں کہیں گے میں
چلنا ہوں ایسے۔“

”میں ان کا ساتھ نہیں چلتا۔“ رامیصہ نے شانے
اپنکا کھٹک میں صرف نہیں جانتی، وہ اور جتنا بھی
چانتی ہوں اسکے بعد مجھے یہ بات بضم نہیں ہو رہی
کہ تر بھی اپنے عروانہ ساتھ ہے۔“

”میں ان کا ساتھ نہیں دے رہا۔“ تربیت کو آنکھ
کیوں نہیں رہیں۔ ”جنبہ بکریو لا۔“

”میں ان کا ساتھ نہیں دے رہا۔ لیکن میں انہیں
انہاں کھڑیں بھی نہیں، ہا سات۔ وہ انہی مریضی کے مالک
ہے۔ بھلی ہیں میرے زندگی میں ہے میں ان کا
خون، خداویں اس انکی بستاد۔ اور نہیں انہیں انہیں
انہوں کی بیوی کی بھکری نہیں کہیے فرما لڑکہ یہ ہے کہ ایسی
ایس بات پر مذقت ہے۔ اونکے بے چاری بے تصور
اکھیں کئی کھلیدیں ہے۔ میں کھلے ہوں کہیں اور
خالہ کی بات اپنے میں جائے اڑا کہست قیادتیں تھیں
لہو عالمیہ غزویت کی تیاریاں اور کر سکر ایسا
یک تو مکی سوچ رہی ہوں حق نیاز! ان رنگ کی

میں نے اپنی حکمت بھی ہے۔ اونکے کاموں میں
لیکن پر رکھے ہیں اور کیا بد منف ہے۔ اسے
اونیں کی انتہا۔ غولی کھوں گئی تو یہ بے دم
ہوا۔ اس سے باقاعدہ کہتا ہے اس سے رہا۔
باقاعدہ بھی ہے۔ اس سے باقاعدہ، باقاعدہ
بھی ملنے اس سے باقاعدہ، باقاعدہ، باقاعدہ
پکت ہے۔ اسے باقاعدہ باد نہیں ملی ہے جو اس سے
روہنمکے بیٹھیں، رہیں، رہے۔

”ترنے سمجھتے ہوئے میرے اپنیں سمجھتے کی
دشش نیز کی جاتی ہے۔
”بچہ کو جس انسان ہو تو تسلیں دے رہا
ہے کہ تر بھوک کی تھیں کی وجہ سے ایک بچہ دے
دیوری نذگل چڑھو گئی۔ جو بات چور دس جانتے تھے
کہ بزرگ ایک رشتے دار غلوٹ نے چار سو لوگوں
وہ میان میانی اور یہ چھار سو دو اسے تھا چار مارا۔
تھا یہ اظہع میں نہیں مرنے کے دل کیچے ہے۔
کے زراسچو اس کا قصوری یہ ہے۔ اونکے کوار
چانن وارہ اونکی نینی سے بھر گئے بارے میں وہ
انکھیں بھیق تھے۔ بھوئی، بھوئی، بھوئی، بھوئی۔
وہ اسے تھکرات میں تھے جیسا کہ ہوتے ہے ایسے
سیدھی سلدنی شریف اور مظہور انکل ہے۔ تھے
بھالی اسے اپنا لذت صرف ایک بھالی کا مرکز تھا
بلکہ ڈاک بھی کر سکتے تھے۔“

”کر سکتے تھے ہے۔ اب ہمیں رہتے ہیں
کریں گے۔ بھوئی اونکی لی مہمومنیت اور۔
درانگوں کو ہمکر ہر روز مل شہر نہیں۔ بھوئی اونکے رام
بھوئے واسکے خدا۔ پہنچنا افسوس ہے اسے اسے۔
اپنے بھوئی اور امانیں کے بد صورت مانیے۔
اونکے راستہ تھا کہ جس کو پہنچ دیا جائے۔ شہزادہ بھوئی جو
مل کو دستی طریقے۔ اس لذی لذت۔ اس
لذی لذت کی کارکردگی کا امامیں ملیں۔ وہ اپنے خدا کی
ارکان بھوئے اب بھاہو۔ مل ہے۔ میں نے مہاہیں
انہیں پہنچ دیا۔“

”بیکر نہیں آئے تھے۔ تکریم نہ آئے کرتا تو چاہتے ہے“
”وہ میصحت اپنی سوالیہ نظریں اس پر کاڑیں
”ای مطلب؟“
”مدطلہ بیہقی نے نواز صاحب کے ہاتھ میں اب بھی
لے سکتے ہیں اس فریب کا صورت باگے۔ اسے
خواہرے میں فرستہ دت کرنا۔ اب بھی خواہرے
کے چہرے بکار اپنی غلتوں کی جانب سے ہونے والی اس
کی تذمیں کا ازالہ بھی کر سکتے ہیں۔ یعنی افراد کی
برہنوجی میں اسے بے فرستہ کرنے کی تدبیج بھی
کر سکتے ہو۔“
”یا یا کو اس کروں؟ وہ میصحت اس کا مقصد
بونتے ہوئے انہوں نے کہا۔

”بھی تو میچ جسم کے کہلات کیا کرو۔“
”سوچ بھی ہیں گے، میں وہن ما تمیس کھڑے
کھڑے سرو سرا بادھنے کو کہ رہی ہوں۔ بلکہ جو تو یہ
ہے کہ چھے تم اپنے بھمل کو زندگی کی بیکوئر نہیں رکتے۔
میں بھی تم اپنے پیشیں بدل سکتی ہیں۔ تو یہ سچے ہے۔“
امید ضرورتے کہ تم لہن کی ملٹی شیعی القب نہیں ہو۔
”میں تم کرف۔ اس لیے مشورہ دے رہی ہوں کہ
— تم اس لڑکے شہنی کرزو۔“

تہ تہ تہ

”میں۔ میں شہنی کریں؟“
”تی نواز حسین سے اس کے لفاظ و ہر اب اخوت۔
”اور ہی بھی سوڑاتے؟“

”کیوں؟ پیاہیں ڈبے سوڑا اس۔ سوڑا اس کے
دن ایک بہر ملتم شہست نہ رہ پہنچی پستہ لہن کی بیکوئر اس کی بیکوئر ہے۔“
”میں اس وقت ڈبے بیکوئر اس کی بیکوئر ہے۔“

”تم اس سنبھانج کبھی رہی ہو؟“
”ماینیں نہیں کو دیکھا پڑیں۔“ اپنے ہاتھ جیسے نالہ بھی
بے سانتے لے آؤں تب بھی میراں الیکسیز کا سر جانی ہے۔ ”اس نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔“ اور
یہ کیوں کہو؟ ایمان اس سے شایدی ہے۔ ازر کسر اس سے تیرت اس بات پر نہیں کہ تم نے یہ مجھے سے آن
بنا چھی ہوں۔ اسے کہا۔“ بلکہ حیرت اس بات پر ہے کہ اتنی درست کیوں

بُل آنڈارہ تھا کہ۔ لکھوپ بُلی تھی سے باہر
لئے جائے گی کہ مکان اسے میرا در برواشت
اندازہ نہیں کیا۔ اس پر بھی نہیں حیرت ہے
نہیں بے نہیں تھی۔

اس نے خودی اپنے نظرے کی تصحیح کی۔ ایک
اندلیں نجیدہ مسئلہ چھیڑ کے اسے ڈسٹرپ لدھیئے کے
بعد انہوں نے اپنے چھکے موبائل میمی یا شاید و انتہا ایسا
کر رہی تھی ہاتھ اس کے مشورے کا حق نواز پر جواہر
بُولے اس کے حق اڑاتہ دراکم ہو جائیں۔ تو دوبارہ
اے نہیں جاتب نہندے دامن سے سچنے۔ مائل
مرتے گزو، رامیصہ کے اس طرز بات پلٹنے پر ایسا
ہے ایک بُنکٹے سے انخادر بابر گلش گیا۔

”قِ نواز حق نواز۔ میری بات ہے سنو۔“
رامیصہ نے آواز دی۔ میرا اس نے پاٹ کے نہ
بکھل۔

”میں تمیس دوسروں سے الگ سمجھتا تھیں لکھ حق
اپنے اس لیے یہ مشبور ہے تھی۔ نہیں یہ یہیں بھی
پس ٹوکا۔ تم میری باتیں بھی اونگے۔ صرف ہے امید
فیں کہ کم از کم دھیان سے سنو کے تو ہی۔ لیکن
ذرا اس پر بھر جائیا۔ ظاہر کرتا ہے کہ قرآن مربویں
تے لگکے نہیں۔“

✿✿✿

”بس خوش ہو گئے آپ، پُر گئی کیجے میں
نہندک۔“

میرا نے آتے ہی انہا یک ایک کوئے میں پچھنکا اور
چاہا جا کے مال پر برستے گئی۔
”کتنا کہا تھا میں تے کہ یہ ضد چھوڑ دیں۔ کماں کریں
گی اس کی شلوی کروا کے گمراہ آپ نے ضور گزئے
مرے اکھاڑتے تھے میں تو پلے ہی جانتی تھی کہ یہ
س ہو گا۔ کتنا وقت لگا تھا میں اگر نہ سرستے
زندگی شروع کرنے میں۔ اور آسدوں کی بے کارکی
ضد نے ساری بیانی بنا لی غریزت ایک بار پھر منی میں
لایا۔“

وہ میں بُاپ کو الزام دی۔ اپ صوفی پینچو کے
یوں نوں بالتوں میں سر گراۓ اور پھی آواز میں رو رنی
تھی۔ سورا ایسی کرنے میں کمل میں کشمی میرا کے
سامنے بیٹھی تھی۔ اس نے چکے سے یہاں سے لکھنا چاہا
گمراہ میرا نے اسی کا ہاتھ پکڑنے کے اسے روک لیا۔ وہ
بیٹھی سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔ اسی بے بُی کے ساتھ
لکھنا نہیں نہیں۔

”مُنْتَبِہٖ تُمْ ۝ ۝ نَوَازْ ۝ چَپْ رَهْ کَ بَاتْ
بُولِ ۝ بَعْلَوَلِ ۝ وَذَادَتْ ۝“

قِ نواز نے ایک بار پھر اسی سر گمپ پر مکارتے
ہے۔ فیض پر نہ کلاں۔

لکھنے کے لئے اس نے فرشتے بیٹھی۔ بھی اکیا گلہ۔
بُول نہیں بنتے۔ بہار سرینی عوصلہ ملٹنی کرنے کے
بُندھن نہیں طریقہ۔ میرنڈا آٹھ لہنے اور ایسیں پائیز / ایسے تو چھپے چکپ بیٹھے میری بربادی کا تماشہ دیکھ رہتے
ہیں۔ اتنی قلنس نہیں ہو رہی ہے کسی کو کہ بخوبی

پوچھنے کی نامت حق نہیں۔ جو ہے خود نہیں کہا
کس کا ہمارا بڑی بھائی ہے؟ یہ اقتدار
مانتے ہیں پسیں نہیں۔ اور یہ نہیں پسیں نہیں
کہ مانتے ہیں پسیں نہیں۔ تھی پاہنچہ تھی۔ یہ
نمٹ کر ہے نہیں کی، شش لیہ تھا۔ یا بتہ؟
ڈوہنستہ دینہ اپنے اپنے نہیں میں ماندا
ہے۔ ہے اپنے اپنے جس اپنے میں نہیں نہ
کہ اپنے اپنے جس اپنے میں نہیں نہیں نہ
تھی، وہ اس لیے ہے۔ میرے پھرے پھرے اس
تھی۔ میرے پھرے پھرے اس لیے ہے۔ اس لیے ہے
میں نے اپنے دل لی۔ اس لیے ہے۔ میں نہیں
ہے۔ میں نے اپنے جسی سب سے بڑے لیے ہے۔
اس لیے ہے۔ میں نے اپنے جسی مانیں نے اپنے
قابوں کے پاملا۔ داں فتوں کی نہیں۔ میں نے
صل کی کہ بھت نیس پڑھے۔ میں نہیں
تھے۔ میں نے ایسا یاد رکھا۔ خالی ہاتھ اونٹی ہوا۔ اس اپ
آئیں اسے باہل جسی نہیں پھرند۔ آئے جسی ہوں
آئیں۔

بولتے ہے اس نے ایسے دل دیا۔ اس نے اس
سے آزاد کرایا اور ہمیں اپنے ہمیں کہا۔ میرے اپنے اپنے
اور شدید قحافل بالکل قیوب نہیں سیہا۔ جسی اسے اسے
وہ شیان، نہ، کوئی نہیں تھا۔ اسے فراہم کیا
گرتے ہوئے گما۔

"اس پے چاری ہالیا تھوڑے اس میں۔" اس کی
لاؤٹیں رہیں۔ اور ہے اور اس بذات کا صورت میں کی
اپنے مشش میک اپنے کیا تھیں۔ میرے اپنے اپنے
وہ دل توپ کے آئے پڑھی میسے۔ میرا۔ میا۔
میرا۔ کہ سے افسوس کے اس کا اندر تھا۔ کہ اسے رہیں
میں دیکھی۔ میرا کی پہنچتے ہے۔ دل کی دھنیتے پاہنچتے۔
سونرے کے، لناک سکوت میں میرا کی بھی
سونرے کا نہیں ہے۔ میرا کی ایسی ایسی تھی۔ وہ شیان ہوا تو دل اور کنی تھی۔ اس کے
لیے کہ تزویہ میرا کی پشت کو چھوڑ کر اسکے سر رکھی۔ ابھر رکھی۔ میرا نے ایک بار پھر اسے اپنے ہمیں
نہیں کر گیرا۔ "ذیکر نے اسے غنیموڑا۔

"چیز کو جاؤ نہیں۔" تاہم ہوڑھری نے پہلی بار
نیکن گھوٹی ہربان کی تو اسیں گھنٹے گھنٹے۔ تجھے اس
ٹیپوری تیپوری کو غاطر میں نہ لاتے ہوئے مسکل
زبرداشتی رکھ۔

"یا تم ازم تدبیت سے زہر دیتا یا کھونت رہا
تھا۔" بہبی اس نے۔ اس نے اسیوں میں کہا۔ کہ میں تھی۔
نامور کی مدرسے اسے بیٹے رکھے۔ آپ دنوں۔ اس کی

وجہ سے تم سب کو آیا کیا نہ۔ لیکن اپا پھر بھی یہ سب کی
لاؤٹیں رہیں۔ اور ہے اور اس بذات کا صورت میں کی
اپنے مشش میک اپنے کیا تھیں۔ میرے اپنے اپنے
وہ دل توپ کے آئے پڑھی میسے۔ میرا۔ میا۔
میرا۔ کہ سے افسوس کے اس کا اندر تھا۔ کہ اسے رہیں
میں دیکھی۔ میرا کی پہنچتے ہے۔ دل کی دھنیتے پاہنچتے۔
سونرے کے، لناک سکوت میں میرا کی بھی
سونرے کا نہیں ہے۔ میرا کی ایسی ایسی تھی۔ وہ شیان ہوا تو دل اور کنی تھی۔ اس کے
لیے کہ تزویہ میرا کی پشت کو چھوڑ کر اسکے سر رکھی۔ ابھر رکھی۔ میرا نے ایک بار پھر اسے اپنے ہمیں
نہیں کر گیرا۔ "ذیکر نے اسے غنیموڑا۔

رہب و نسہ۔ مہر زخم اٹھیں۔ جمل ایس
بڑے گھے سے کار سکو دیتے۔ من ہوں تو
ویرا کو سرکی پابند، سیرا کی بندی سے بھی ملوٹا ہو
جائے کہ تیر پولی فنی مزید شدید ہو گرے۔
اس سے رقص سیرا کے بھی اس حدتے تین فیسر
بس۔ وہی سے آئے پر قدم۔ وہیش سے تیار اس
مذہب کے سامنے ملائی تھی تھی۔ بہب تھوڑے کی
ملئے کاڑیں۔ تو کام کر رہا تھا۔ پہ کرتے ہوئے ان کی
پستیل ہیلی اگر تھوڑے کی کوئی مدد چھوٹی تھی اور
ویرا کے ساتھ بھیجی گئی۔ انکے سے سیکھیں کی اگر تھیں یہ
کہتے ہوئے خوبی تھی کہ۔

سیرا لڑکی دیجیتے بھی کی تھیں افغان۔
دشتہ اوری اگرچہ جو کوئے بھے سے آئے تھم غصیں
ہو۔ مل۔ ایسے سیرا نے اپنے بھی کی بھائی دفتر میں
ہوتے آیے تھے میں کی اپنے بھائیوں کے ہوئے
برادرت کے تھے لیں اپنے نائیں۔ اسے سارے
ہے خواہ قمر۔ ناہل۔ ایسے بیرون از قاتلوں نے دوڑائیں
ڈالہو۔ تیس۔ قریل کرنی پھو۔

تین اونٹوں کو مخواہ۔ جس تھیں اونیں لیکیں تھیں
بھی تھی۔ جی بھی کی بھیل ہیں۔ یوں مذہب کے
نہیں آوارے تھے پسے دھو تو سونگ۔
دوہی آسمہ سے کے۔ رے قوت ہوئی تھیں بھی
تم ابتدہ دیکھیں۔ اسی نہیں۔ سویرا الب تک
اپنکی سیکھی اور سیرا ان کا میرت حملہ کی
دور پڑھنے کی۔ شش تاریخی تھی۔ اس کی سیکھی اس
سوئے تو کھڑکے اسکے نہ ہونے وہی تھیں اسی تھیں توٹ
وہیں کے اقصیں ایک رز کے باقیل ہو جانا۔ کہے داروں
اکھڑتے تو میں میں لور مڑیں۔ سیکھی رکھنے کو ہب پکھنے تھیں کا۔ / خیلی رکھنا تھا۔ غلی سیکھی تھیں میں بکھرا۔ تھیں کے بعد سیرا کی
ظرف کانے کی اپنی عمر اور سمجھو کے مطابق تو غلی میں
بیکن کے ساتھ جو جوست نامہ تھے۔ جو دیکھنے کے داروں
لڑکوں کو پھر پہنچو۔ چونکہ کوئی رکھم تو ریسکر کر کے دیکھنے
کی تھی۔ میش نہ ہو۔ تو ذکر۔ تو خود تکمیل کی نور اور
ایسا کہ اپنے لگو کا کسکے تسلی میں تھیں کہیں کساد کو کوئی دھمی
ولے۔ اس شہر میں کھلے۔ سترنی بھیاں لوحر لاجر
کو سچھ کر انہوں نہ چلے۔

آئی پہلی تھی۔ سف بھی دلی جس بور کی کی تھا۔
بھی کی۔ تو نہیں تھی۔ خوشی بھی تھی۔
تھکن۔ تھکن۔ بھرے۔ بھرے۔ اس بھرے ساتھ اپنی فن زیک
اویز نہ ادا کیا۔ اس تھکن خوشی دلوں پاہا اسی
تھکن خوشی اس کی خوشی تھی تھی۔
مل کی تھکن کے کہے۔ مل پڑو ہو ہمیں اور جب
سریں سورت مل پڑے۔ پر قاتب صریں ایک اگر
یہ قیامت اٹھی گئی۔ فتنے میں نہ بھی کسی سے
بہتے نہ ہو۔ خداوند باش شرم کرم ہو گئی تھی۔ سر
تو کائے جب چہب انسوب بناتے تو ہزار اسکی رہتی
تھیں اور نہ لے۔ کس کی وجہ سے۔ مدار افسوس کھڑا ہوا
تھا۔ اس پر خوجہ دینے کا وقت تھا۔ اس نہیں قاد
ایسے سیرا صرف سیرا ہی تھی جو اس کے ساتھ پڑت
کر سچی تھی گئی۔ کہ وہ راتوں کو تھیں۔ ملے۔ سوئی تھی
ہواں کے مدنہ نہ نہ نہ۔ اسے والاتر تھیں۔ وہ نہ
ان جمیں پر شکن خوف نہیں بنی۔ وہ نہ سوتا ہو۔ وہ شکن
خوٹنے پہنچنے اور ہٹنے کے جو کھجور سیرا کی اپنی تھیں
کھکھل پہنچنے۔ بارہ مل۔ بل۔ گمراہ اپنے سے بھاگی مل
پھٹھی۔ مکن سے بہت بدھ بھت کریں تھیں۔ یہ بھت سیرا
کے ساتھ داری وہی کے رو مل کے رو مل کے طور پر بھی نہیں
اگر کے ساتھ آئی تھی کہ اسی کا اپنے تھیں اسی تھیں توٹ
چلانے کی ذمہ داری۔ ملی کوئی غمراہ تھی اور توٹ فرقہ
اس بات کی بھڑاں اسی۔ ہماقی رہتی تھی۔
لا ہو رشتہ ہونے کے بعد فستنا۔ بھرنا۔ مل۔ سیرا
آنے اور اپنے اسکل میں داغیں ہونے کے بعد سیرا کی
نادوں میں مزید تہی فی آئی تھی۔ لب کو مٹھنے کا
وہیں کے اقصیں ایک رز کے باقیل ہو جانا۔ کہے داروں
اکھڑتے تو میں میں لور مڑیں۔ سیکھی رکھنے کو ہب پکھنے تھیں کا۔ / خیلی رکھنا تھا۔ غلی سیکھی تھیں میں بکھرا۔ تھیں کے بعد سیرا کی
ظرف کانے کی اپنی عمر اور سمجھو کے مطابق تو غلی میں
بیکن کے ساتھ جو جوست نامہ تھے۔ جو دیکھنے کے داروں
لڑکوں کو پھر پہنچو۔ چونکہ کوئی رکھم تو ریسکر کر کے دیکھنے
کی تھی۔ میش نہ ہو۔ تو ذکر۔ تو خود تکمیل کی نور اور
ایسا کہ اپنے لگو کا کسکے تسلی میں تھیں کہیں کساد کو کوئی دھمی
ولے۔ اس شہر میں کھلے۔ سترنی بھیاں لوحر لاجر
کو سچھ کر انہوں نہ چلے۔

"اگر تم نے دیوارہ بولی کے باہر میں اپنے کام
باندھا تو تم اسی کو غصے بخواہیں گے، وہ بندھاری چیزیں
کیا رکھتی ہے۔ تمیں اپنی نہیں تھیں آئندھیں تھیں۔" اسی نعمت
بات کو اس سے سمجھے، اتنے کی شیخی، تھیں۔

"تمہرے نہیں، میں میں کوئی ممکنہ کوئی نہیں۔" میں نہ کر
سچا، میرا کسے ساتھ اسکاں جانے لی کر دیا، اسی
لئے تو مگر تھا۔ "است۔" بولی آہست آہست نہیں
بنت پہنچی رہ گئی۔ اب صرف سریا خانہ تھی؛ داگری خانہ
بنت زیادہ، بالآخر بنت زیادہ، مضبوط فحصت شہسی
لشکن اتنی سی؛ میں میں میں تھی کامیابی کی بھی۔ قمی جھنی دو
نوہن سدل کی بیلی۔ اس بات نے میرا کو بھی بہت
حسد دی۔ اس کی ایوٹ سے یہ کوشش رہی۔ مگر کی کہ
سریا اس کے سارے کے بغیر بھی جینا سیکھ لے اور
رفتہ رفتہ یہ دربار تھا۔ میں نہیں تھا کہ اس کی شلوذی کا ذکر
ہوتے اگر۔ اس مونچ پر، ایک بار پھر میرا میرانی نظر
تھے اگر۔ میں بھی تیرانے اس کی دل دکی۔

"تسیہر ایک نارمل زندگی جیتے کا حق ہے، تم کسی
سے کام نہیں بچے۔ میں تھکتی ہوں تم مجھ سے اور بائی
سے بھی لا کوڑ بترہو۔" صرف چکل دصورت
کے لیے نہ سے بلکہ کروار دیہت، تعلیم و نہایت اور سایقہ
اور حرمہتی کے لیے نہ سے بھی۔ الحداۃ تھیں، میں کی
بھی آجھتے اور زینا کا بھی شعور ہے۔ تمثیل و قلم نمازی
ہو۔ قرآن کی روح کو تھکتی ہو۔ مجھ سے زیادہ بستر اس
بات کو پانتی ہو گکر کہ لئے۔ کسی کو بھی اس کے جائز تھے
تھے خوبی نہیں رکھتا۔ زندگی کی خوشیوں پر تمہارا بھی
لزت افسیں بے جھک و صبل کرو اور اپنے نسل میں

اسکے درمیان کوچھ سہیت و سرکشی رکھ کر اکارہ سکر اکارہ سکر
کر سکیں۔ اس نہیں بایکی کمی خی کے آجھے سر شعور
جھٹکا ہوا تھوڑی دوڑیں ہو گئیں۔ وہی فتحیں لے کر کر رکھ کر سکیں۔
جو من پھر اڑے۔ اس کے ساتھ گھر سے تھے اور وقت

تھے ان بدترین اندھیوں کوچی کوکھ لکھا۔ ایک احمدیہ کو
کی زندگی ہاتھیں برپہ افغانستانے دیتا ہے اور بدترین اڑوات سے
کامیابی کر دیتا ہے۔ کامیابی کا سر جھنا ہوا تھا۔ ایک بار نجیم اس کے

ہاتھ اندھر سے کھڑے ہوئے۔ میں پہنچا۔ صورت اپنے
باد بھرائی کی بیان اس پا اپنے انتہا۔ ایک اندھر اسی
لڑکی کی اراس پر میرے اسے اپنہتا۔

پہنچے لی ملئی تھی کے، ہمارے، نے اسے لے گئے
لئے۔ ایسی کی ملی کردن اس کے سپاس۔ تھیں۔

نہ ہے۔

"کہاں اگذاں ہیلا؟" حق دا زخم تباہ تھیں پہنچتے
بھٹکا اور پھر اس کے اندر کے بعد کھڑی سالس۔ میرا۔

"پا تھیں سب کی جھوک کو کیا ہو جیتا ہے۔ فوزیہ
بھی صحیح بغیر ناشائستے کے اتنے کم اپنی بہتے تمارے ابا
تیں آٹھا، دو سوچ چائے تھے اور پھر مدد سے مکمل فتح
اڑا۔ شادا نواز بھی کھانے سے ملنے کر رہا تھے۔ دیگر
چارچوں کی رستے پری پری لوگوں کے اور ابھی تسلسلہ مارتے نہیں
کی تھے کہاں میں ہایا۔ میں پوچھتی ہوں ایسی کہ
کیا آفت نوبت پڑی۔" وہ کچھ ناراضی نہ اس کی
بوٹیں۔

"نہیک ہے اچھی بھلی شاہی ہوتے ہوتے رکھنے
کیا بھئے افسوس نہیں اس بات میں۔ میں میں ہوں
میرے ارمیاں بھی تو پورے ہوئے ہوئے رکھنے کی
اب اس کاماتم عمر بھر منیا جائے گا۔ مہربات تھے اتنی
نہیں تھے سکی۔ کل وہی بھکر رشتہ ہو جائے گا اسی
دھوم دھام سے بارات ہمال لے جائیں۔ اب بھوند
بھی اس بات کا چھپا۔"

"بلیں وہ تو مردیات ہے۔ اتنی نہیں تھکل ہند بھک
کیں کر کر کے رہے۔ میں کوچھ سہیت و سرکشی رکھ کر اکارہ سکر
کر سکیں۔ اس نہیں بایکی کمی خی کے آجھے سر شعور
جھٹکا ہوا تھوڑی دوڑیں ہو گئیں۔ وہی فتحیں لے کر کر رکھ کر سکیں۔
جو من پھر اڑے۔ اس کے ساتھ گھر سے تھے اور وقت

"ایسا باتیں نہیں بھی سکی سوچ دہا ہوں تھے۔ ہماروں
کی زندگی ہاتھیں برپہ افغانستانے دیتی میں زدیں نہیں۔ ایک
دیگر ایک بار، کامیابی کا سر جھنا ہوا تھا۔ ایک بار نجیم اس کے

جس سے اسکی اور اوس سے وہن
بیکاری کا اس میں اس قاتم باہم اول مگر...
لیکن اس لحاظ پر اس نے اسکی مصلحت...
بتزویر کر رہے تھے اسکے بعد اس کی طوفان
پر ٹھیک نہیں فرمائیں اسی کی طوفان
کے بعد تمہارے ان اذکی باتیں انسکت کی
خواہ دیں گوں اسی دینیں قوانین امکت نہیں
میں ہیں گے اس کی باتیں اس کا مذکوت نہیں۔

چند بیٹے رہا۔ زید، انتیلی شے لی شور و سوت
سین۔ قصر پر نیکی بن بیان فی۔ اگر اسے نہ انہیں
دکھروں یہ قدر یا ضرورت تھی ایک بارہ بڑا اشتھار
کیا اسکی۔ اسی لذکر کی شفافی رہتا، صراحتا، اس
بے امکتی لی نہیں دھوڑ لہانتے بیلا
بے چوتھائیں نیکی نیا۔

”شہزاد اور اتر کیوں خاموش ہوں چون ہوں گے
سکتے۔“ اسی دعا نے ساری ٹھیکانے ایک کھنکی چڑپے
ستھان عفتہ ہے۔ اپنے بھلی سے پومنہ
مارا تھا۔ فیال نیں بھی امکت نہیں۔
درود میں درست تھا؟“

”تھا شیئے شایعے نہیں۔ اسیں اتنے من
بیکاری باتیں نہیں جھوٹتے تھیں۔
تب تب تریخت پڑھتے ہوں۔“ اسی نہیں بے تبل
تھا۔ اسی اتنے تماشا آڑانا ہے۔ بیکاری اور غلامی
کے لئے آپستے دنی کی سائنسے بہایا ہے۔ جو استقتوں
کیں گے وہتے۔ وہیں اُبودی بھی۔“

”کروڑ لکڑا ڈھپ پڑھاں لٹھپاٹھ بڑھ پڑھ۔“
تین ڈن کی لند۔ قربنے تریخ پڑھتے ہوں۔ اسی نے بے پیٹ
کر ڈھونڈ کر کاپڑتھ کر کر مٹھی ہے۔ اسی کے لئے تھا۔ ہر ڈن رہتا تھا۔
کروڑ لکڑا ڈھپ پڑھاں لٹھپاٹھ بڑھ پڑھ۔“
رکھ کر لکڑا کا پوتہ کھڑکی خونریز تھا۔ اسی کے لئے تھا۔
رکھ کر لکڑا کا پوتہ کھڑکی خونریز تھا۔ اسی کے لئے تھا۔
رکھ کر لکڑا کا پوتہ کھڑکی خونریز تھا۔ اسی کے لئے تھا۔
رکھ کر لکڑا کا پوتہ کھڑکی خونریز تھا۔ اسی کے لئے تھا۔

”فیاضہ کو گہنی۔“ تو اسی پہلی بیتل اسی سے
تھا۔ اسی تکمیل اسی نہیں۔ تھی۔ مگر آپسے بیتل اسی بات سے
ہے۔ اس کا مگر اسی نہیں۔ اسی نے بیتل اسی نہیں۔
اصل نہ آپسے۔ اس کا مگر اسی نہیں۔ حسوس ہے
کہ فیض کی بوجی۔ اس اسی ”لیلی“ پر اسی سے
امن۔ اسے اسی نہیں۔ اسکے بعد میں نہیں۔
مارا لڑا کے ہیں۔ وہ سیکھ کے تھے میں۔ میں نہیں۔
ہٹانے کے لئے تب۔ فیض نہیں۔ میں نہیں۔ میں نہیں۔
”تھیں ہاؤں ہاؤں“۔ وہ میں ہے۔۔۔

”یادوں۔ اور ہے۔“ میں ہے۔۔۔

ایک ڈین دھکایا۔ ”ٹھیک ہے۔“

”چھوپ میں۔“

”میں ہوں۔“

”میں ہوں۔“

"تمہارا بیان غواب ادا کیا ہے من دواز! " ملے دار
ہاہرستہ آتھہ پلا ترا۔

"خدا بات سن جو لکھا ہے رب دار! " رب دار!
مرد اور محلہ دامت کا اکیار کردہ تھے اب ان کے
ہمراہ سے نہ اڑی اسی کی۔

"گی بیان تھا کہ ۱۰ بات بیٹھے ہے مجھے کہ
کیا ہے گریب اللہ تو یہ تھا کہ بستی سوچی مجھی
ہاں لے گئے ہو عکس یہ بات کہہ کے بعد وہ خود کی
ذمہ ملھمن مگر دوس کرہا تھا۔ مختلط، تین دلوں سے
ایک ہے ہماری خلیفی اسے گیرا، اتنا۔ اب،
خلیفی کیس کیں تھیں؟

"بُس سے یہ اس انبار کی نولری کرنے لگا ہے:
ایک عالیٰ سید ہمیں بکاویں کرتا رہتا ہے۔ آپ تو انی
سب سے پہلے اس کی نولری کشم کر آئیں اور میں
اندریں ہوں اس کے سرستے شادی والا بھوت" تھے۔
خلیفی نہ کہ دلوں سے اسے گھوڑتے ہوئے ہو ہیں۔

"میں اس کی ساری چال سمجھ گئی ہوں۔ اصل میں
ایک شدی کرنا چاہتا ہے اپنے ساتھ فترمیں نوکری

کرنے والی اس موہار نورت سے جس کی سمجھی
تسویریں اخبار میں چھپی ہوئی ہیں تو سمجھ لی دی۔ پ
مردوں کے درمیان میٹھہ کر تقریباً کرہی ہوئی ہے۔
اسے یہ بے ناوبال میں نے مرکے سمجھی بہانیں کیئی،
اس کے دوسرا پا پھیک رہا ہے اسی جگہ شادی
کرنے کی حکملے رہا ہے کہ میں مجبور ہو کے خود
کھو دیں کہ نہ میں! یہ مل کا نام لیا ہے اس سے اپنا ہے
ایک تمہاری، شلیق تمہاری پھنسنے کی یہ کراہی تھے! ہوں گے
مگر اس نکلا دنیمی میں مت دیتا۔ میں ان بے دوقوف
ہوں گے! میں ہوں جو ایک چال میں اگر بیک
بیکیں: وجہی! ہوں کہ ۱۰ بار! راز راز،

"سیرت خدا۔" بھول کی اتنی دوڑکی کوڑی ہاتے
پہ جریلن وہ کمیک! ایک کوکل باسترنیک "ز" راز،
۲۳ میں کمی بات ہے نہن مکمل گرمن لوٹے میں

کے بھی نہن لکھیں ہے اور نہ بھی نہ میں سے ایں
وار پہنچائیں،" یہ نے اسے بھری۔
"اپنے بیکل کی حکم آتی تھے اسے کہا۔
دنیں نہکہ نہل لے اسے ایں اور نہ اس سکھی،
ازالہ کرنا چاہتا ہے۔ چھ عکس کے ملے ہوا ہو
اے گاہ، بھوپال میں اسکن نہیں اے گاہ، اسے جو
انہاں نہیں ادا کرے گا اور ہے ہاتھ نہیں۔" کہا۔
مت سمجھے کہ اس کے ایسا کہتے میں ہی نہ ہے صورت
پڑ جائے گا۔ "لہذا شاعر الفاظ میں لکھا، بہت سالیں
قشیر ہی تم ویران تھے سے صلی بیٹھا تھا؛
سمجھی بندہ اواز میں سوریا کا کونتے گھٹیں۔ بھی
وہ سعیدہ ان کے متاب کا نشان تھا۔ رب نہ افسوس
خانہ اش کرتے ہوئے یہ کہنا چاہا رہتے تھے کہ یہ سب
حق نواز کی واقعی جذباتیت ہے اور وہ حقیقت نہیں بہ
پڑھ نہیں کرے گا جس سے اس کے مل باپ کا جس
سخن ان دنوں سے الگ بھٹکہ شدہ نواز بہت خانہ اش
کھڑا تھا مگر اس کا چھوپریں رکھیں رہا تھا۔
سمجھی وہیں خوف نظر آتے۔ بھی میکس۔ بھی فرم
اور بھی بے بھی۔

۵۔

"یہ تو ایک بہت معمولی اتفاق ہے وہ سعیدہ احتجت
ہے تمہارے جیسی لڑکی جو مغلی سعادت میں ات
عرتے سے بے دوسرے دانتے سے اتنی ستارہ نظر آرہی
ہے۔"

فرخندہ اور جی نے اسے اتنا زیب، یکھ لرمد
وہ سعیدہ شاکی انظروں سے اسے یکھنے کیمی۔
کر سوچنے پر اسے معین داتھ کہ رہی ہیں فرخندہ۔
ایک لڑکی کے لئے وقت سے پہلے آئی اور وہ اس ب
وہ ایک دوسری حملہ ہو بنا ذرا بھی۔

"فیکن یہ تو بہت بڑی بات ہے جنہا باتوں کا بھی
دیکھیں، اسی بھبھ کوکل بد قلاش لفڑا کا قریب سے تزورتے
وہ سمجھدی یعنی سے پھوکر گزر رہا تھا۔"
اپ اس سلسلے میں کوئی کھل کیں نہیں۔

خداوند کے خاتمہ نبی مسیح کے لئے سکتے ہیں اور نہیں۔ ماتھی
نہیں۔ میں گھر میں کے لئے نہیں، میں اور امامزادہ
ایک، اندھلی غیر اُلیٰ اُنیٰ غیر ایک۔ ایک میں
نہیں۔ اُنہوں کی تحریک کچھ وپر اُنہیں اُنہیں
کے لئے۔ میرا بھروسہ اذکار نور دوست اُنہاں میں خاتمہ
چلے ہیں۔ اُنہیں اُنہیں دوں تے جس مد تک بریز
نہ چھپے۔ سیدنا تک ان کے جانے والے دوں
بھی اُن روزوں کے لفڑی و کمرتے ہیں، اُنہیں مرتبت
دنیوں پر ہے اپنے والدین کو ہوتا چاہتے۔ لیکن نیزی
سے بہت کل پہنچدار مغلکت ہوتی۔ خاص طور پر اسکے میں
کہیں کا یہ مرتقا کے پھوٹ کے والدین ایں "عکس
بچہ" یا "امترانغ" کہتے ہیں۔ اب تم تی بناو کیا
تے "عکس انجینیشن" کے زمرے میں لاگر قابل
دریافت فرمائی جاسد ہے۔ اس طرز تے اسکوں یہ عمل
کہ مشریق کے مضافین میں سے بیالوں کا خشم کروانا
چاہیے اور عرب میں لیوں کیلیں اور افریقیت کے
ڈریتے دن اپنے پھول و جس سے کم کی انجینیشن دے رہے
ہیں، وہ کیوں ہے؟ حقیقت یہ ہے رومنیہ بیلیاں کی
پھول سے زیادہ ہن کے والدین کو شعور دیتے کی
ضورت ہے۔ اسی ضورتے میں نوتے نیصہ ذمہ دار لدن کے
زوالی کے واقعات میں نوتے نیصہ ذمہ دار لدن کے
واحدین ہوتے ہیں۔ ان کو اپنے بیٹے اور ایسا یہ حد سے
بیوی انتہا کجھی یہ ملن دکھاتا ہے تو کبھی اسلامی اعلیٰ رحمات
کے سرا سر خراف جا کے بڑھتے ہوئے بھوٹ کو "عجم" اور بضرر "کھجتا"۔ یہ تصور غمیں گر کر کے۔ ان
کے بھائی بولہ مسلم کے بھائی نے بھائی لون کے بھوٹ کو کسکر کھجتا۔ کبھی بھائی اپنے اکیون دکھانی
کرنے والا بھائی بھجتے کے لئے اکیون اور دکھانی بھی بھیلیں کی
رسنے ہیں اور اس طرح ہوتے ہے پہنچ زرزک کی ماحول
کر جاتے ہیں۔ کبھی بالدین کی اپنے اکیون دکھانی
بنے بھائیں دکھے کبھی بڑا راستے میں دکھسے
سماں تھوڑے پتے ہیں کیلیں اپنے اکیون دکھانی تھیات کے لئے دکھانی
کیں کی جاتیں۔ اسی دکھانی اور بند کر کریں میں بھوٹ کی معموریت اور
انہوں نے خدا کے خاتمہ نبی مسیح کے بعد میں آشنا ہے۔

وہ بارے میں کہاں جان پڑا تو اس کے عکس ایسا
جیسا تھا۔ اسی میں بے زمانہ صدایہ
کوئی بھی رائے نہیں ادا کر سکتا
لیکن وہ بھرپوری دل رے کی طبقہ ایسی
بندوق کی کیا جاتی ہے اس لئے نہیں کہا
سکتے کہ اسی طبقہ میں ایسا کوئی نہیں
بنتے جس کا شکار تھا اس لئے نہیں کہا
سکتے کہ اسی طبقہ میں ایسا کوئی نہیں
بنتے جس کا شکار تھا اس لئے نہیں کہا
سکتے کہ اسی طبقہ میں ایسا کوئی نہیں
بنتے جس کا شکار تھا اس لئے نہیں کہا
سکتے کہ اسی طبقہ میں ایسا کوئی نہیں
بنتے جس کا شکار تھا اس لئے نہیں کہا
سکتے

ہے۔ تیر کی بارہ میں عالمی کل اس نکتے
کہ اس سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسین
بھرپوری نے کرنا چاہتا تھا اس سے کل۔ اس
میں یا قلعہ۔

بودل گھمیں تم تے مل لے جایاں مل کا جیس
ٹھیرے جس مشورے پر مکر۔ قن ڈین ملک
کے تھی اور میں تھیں بار باتیں سنتا ہوں
کہ تو یہ تھا کہ احمد نے ایسا تھا کہ ملے حق
عصفہ تھا۔ ملے کی کوئی لزیل کے
بیان گور ہوں سنانا پندرہ تھے تھے بعد میں
پھر یاد کیا۔ احمد اور جاوہں کے رہا جاہد سے
تھے۔ ملے ہے تھے بیان اسے اور عطا اس
کی دنیا بھر کے ہمیں اسی کے میں نہیں باتیں ہیں اس کی
بیان ہے۔ جو ۷۰۰ میں ہی میں نہیں باتیں ہیں اس
کے تھے۔ اس نے تھے کہ فروٹیوں پر استبلنگ گھر تھے
لیکن وہ تھا کہ میں نہیں باتیں ہیں اس کے تھے۔
ایسا ہے۔ اسے سارے نعمتیں ایسا کوئی نہیں تھے کہ
میں نہیں باتیں ہیں اس کے تھے۔

وہ لئے ہے اسکے پھل کی لکڑی اور دلسا مارا
بچا ہوا۔ سے دل اور دلسا اس نے اس
نے اس کو تباہ کر دی۔ کچھ کامیابی کا ایسا
رائے ایسا کوئی نہیں تھے۔ ملے ہے اس میں
کہ اسی قام سے ملی بیان تھیں باقاعدہ میں
غیر ایسا تھا۔ ایسا ایسا لے بھت جے، ملی ہے ایسا
کہ اسی کی کیا جاتی ہے اسے آج پر گئی نہیں تھی۔
بادھ سکتے کہ اسی طبقہ میں ایسا کوئی نہیں تھی۔

لے ہے تھا۔ اسے ایسا تھا۔
”غیرے ترے ایسا بے شماری باتیں ایسے
حق ڈاڑھا کے کھلے ایسا کیا کہ ایسا ایسا
بے۔ ملے۔

حق ڈاڑھا۔ نورے میں بھی جائیں تھیں ایسا تھا۔
وتے ٹکڑے داشتہاری نہیں اور بے بھر میں
نے ایسا میں فون تھے لے کر بیٹھا۔ اس وہ
خون کے لیے تیار ہے۔ یہ یہ بہت ہے۔ ہمیں رائے
بیالہ تھی۔
”تمہرے کوئی میں یا ناسہ ۶۰ رہے۔ تھے۔ وہ
ترادی۔“

”نھیں تمہارے نے۔“ ہمیں بھی تھے۔ میں
کہ ملتا۔ یہ بھیرے نے۔ ہمیں بھر کر۔ ایسا کے ہی
کرنے پڑو۔ ۷ نہیں ہے۔ ۷ نہیں تھے۔ ملے۔ ۷ نہیں
اپنا فرد پڑھی۔“

کر رکھ کر اپنے میں ایسا کوئی نہیں تھے۔ اس
سے دل۔ فتحہ اس سے دل۔ تھیں تھیں تھیں تھیں

ایسا ہے۔ اسے نہیں کوئی کوئی ایسا نہیں تھے۔
میں نہیں کوئی کوئی ایسا نہیں تھے۔
”کوئی کوئی ایسا نہیں تھے۔“

”کوئی کوئی ایسا نہیں تھے۔“

شلو دا زندگی شد، کیونہ انکی آنکھیں بھی
بچھیں رہیں ہے بنتے اتے ادا، میں ان کے پس
جس کی سرسری سے نہ سوچ سکتا تھا،
وہ سرسری سے بڑا تھا۔ وہ غلام ان کا یا
تم کی سرسری سے بڑا تھا۔

تم کی سرسری سے بڑا تھا۔

میرے بھائیوں میں تو شوہ دا زادہ تھا جو اپنے
بھائیوں میں تو شوہ دا زادہ تھا۔

میرے بھائیوں میں تو شوہ دا زادہ تھا جو اپنے
بھائیوں میں تو شوہ دا زادہ تھا۔

میرے بھائیوں میں تو شوہ دا زادہ تھا جو اپنے

میرے بھائیوں میں تو شوہ دا زادہ تھا جو اپنے

میرے بھائیوں میں تو شوہ دا زادہ تھا جو اپنے

میرے بھائیوں میں تو شوہ دا زادہ تھا جو اپنے

اک قرآنی سے تھا جو اپنے
ابوئی کی۔

میرے بھائیوں میں تو شوہ دا زادہ تھا جو اپنے
ابوئی کی۔

میرے بھائیوں میں تو شوہ دا زادہ تھا جو اپنے
ابوئی کی۔

میرے بھائیوں میں تو شوہ دا زادہ تھا جو اپنے
ابوئی کی۔

میرے بھائیوں میں تو شوہ دا زادہ تھا جو اپنے
ابوئی کی۔

میرے بھائیوں میں تو شوہ دا زادہ تھا جو اپنے
ابوئی کی۔

میرے بھائیوں میں تو شوہ دا زادہ تھا جو اپنے
ابوئی کی۔

میرے بھائیوں میں تو شوہ دا زادہ تھا جو اپنے
ابوئی کی۔

میرے بھائیوں میں تو شوہ دا زادہ تھا جو اپنے
ابوئی کی۔

میرے بھائیوں میں تو شوہ دا زادہ تھا جو اپنے
ابوئی کی۔

میرے بھائیوں میں تو شوہ دا زادہ تھا جو اپنے
ابوئی کی۔

"اے ایسا بارہ، اس ناہی نہ کہی جو بند مانا۔"
 "اے، اس سے فغا، نن، فغا، جو مے دا پائے آپ
 ۔" "ایں نے اپنے اور زحماتی اس لے ملے
 پڑتے، اس لیا۔" "ئیں ہماقٹی تھی رائی اس ناہی۔
 اس نے سوا کمل اور ایسے نوں اے، نوں اے جسی ہےیں۔
 اس نے زندگی میں کبھی بار اس نے ملے، ہم تو نہ یہے

اس غرض کو، راستے ذریتے عالمگیر ہیا، اس
 اس سے ہاتھوں میں دبے ہیں فون پھون نے، الی
 رائیہ، نہ اے سے متوجہ کیا۔ اسکریں پڑنے، جسی
 فرمام جسم کو رہا۔

"پولیس کو رینج کے لئے آئیتی، جسی؟"
 "شمیں اکمل غاص و اتو ہے؟ رپورٹ کے
 لیے ہو وہاں نو ازا پھر رئٹ جائے۔"

"تم بسیں پچھپا کام کرو ری، وہ اس سے معنی نہیں
 اس لیے تمیں فون لیا ہے۔"

روزہ صہد فوراً سب بصل محلہ کے فرخنہ، جسی
 کے "حصوم مکر" ہائے کو تیار کی۔ شرمنیں مددوں
 دوسرے بست سے تحریم خانوں اور اور ارالہ خانوں سے
 بالکل تخفیف ماحول تھا، یہیں کا۔ یہاں ایسے ہیں کہ
 انہیں سدھار کے لیے ناراضی طور پر رہا جا، تھا، وہ
 ملالات کی وجہ سے بعپن کی مدد میت کو تراک کر کے
 جرا ائم کی راوی پر ہلک پڑتے تھے۔ یہاں رکھ کے ادمیں
 معاشرے کا کار آمد اور فرض شناس افراد بنشی کی تدبیت
 دی جائی تھی، اس کے بعد وہ انہی راتیں مقتبی کرنے
 میں آزاد ہوتے تھے۔ یہاں ایسے ادا راث نے بھی

ہوتے تھے جن کے مل باپ انہیں قبول کرنے سے
 انکاری تھے۔ اور پھر ہر پچ آٹھی جلد ایک کمل تھا اور
 ریکیں کرنے والے کو، اس کے لئے ڈیکٹیویٹ کو کیا تھا۔ کر آن کل
 دیا۔

ریکیں کو فرانشیز میت فرخانہ میتے کے لئے، مکانیں دیں
 اور یونیکھہ کرنے کی گمانیں کو ترتیب۔ کر آن کل
 سلسہ دار پیچر لکھو ری تھی جو عوام میں تسلیک کے پیچے شہا
 ریں۔

ریکیں کو، مہانت کو، خدا، بیٹا، اور ۱۹۱۶ء سے تماری
 پہلی پولی کرنے لئے کرو رہا ہے۔ میت جنم
 تے نصاریکی میٹ کروں لی۔ اور اسے بیٹی، پاپانے
 کے لئے فضل۔ نہیں ہے، میتا، انکو لکھو ریوں لی۔ "وو بے مد
 نہیں تھے فضل۔ تھے تم کی تھے تو میں اسے میت بنو اہل۔ اور
 یہی نب کا پیتا نہیں مجھے فوٹ کرنے کے لیے سو ریا
 کے شوپ کر کر، بہاہ رہا۔ سکاتے، وہ ایسا
 مرنے کی خوشی میں کامل کرنے کے لیے کرو رہا،
 ہو رات پیرا مشورہ مانیں گی تو نہیں پھر بھی کوکڑیوں کے
 اے ایسا کرنے دیں۔ اپ کی ناقبت سفور جائے
 نہ۔ اپ نے خود کے شاید ہی میر بھر کوئی ثواب کیا ہے،
 اے ایسا ڈوب سے روک کر کناد کار میں۔"

ایسے تفہیم بیکر کا رد عمل میانے کی زدت کیے
 بغیر فون بند کرو یا۔ ایک کلاس لمنڈا اپنی پن کمزرا، اس
 قبیلہ میں آئی تھی سرے سے اس الحنفی پر فور کیا۔
 "ایسا اتنی وہ سویرا سے شلوتوی کرنے جا رہا ہے؟ اگر
 اس کی ایں بعد نہیں کردہ ریس تو پھر پتیں ایسا ہو کے
 رہے ڈیکھ۔ اتنا تو میں جانتی ہوں اسے۔" خال خوبی
 ہاتھ کرنے والوں میں سے نہیں۔ اگر اس نے ایسا کہا
 ہے تو پتیں کر کے بھی دکھائے گا تین اس دن میرے
 ساخت تے تب وہ یوں بھرنا تھا جیسے میں نے اسے
 فوڈشی کام مشورہ دے رہا ہو اور اور اس کا درود عواد۔"
 اس کے ذہن میں حق نواز کے الفاظ گو نجھے لگے۔

"میں اس لڑکی سے شاروی کیوں کروں جگہ میں تم
 سے محبت کرنا، اول۔"

"اے پھر اب تم سے شاروی کیوں کروے ہو۔" بامیں کے
 ریکیں کرنے والے کو، اس کے لئے ڈیکٹیویٹ کو کیا تھا۔
 دیجہ سے میرا ایک لاست ایک اچھا کام کرنے دارا
 رہیں، جسے اس کی جو صلی افرانیکی دکرنا پڑا۔ ریکو فون بیٹی،

کہیں؟ کیل پچھتا پھر رہا ہے؟"

"اُتھے تم فر پنچے؟ یہ نکے اپنے مرستی سے ہاں
اُخند سے دابتے ہیں ہوں گے۔"

"لیکن ان کے پیچے کمی برا باقتو سے تحران پاؤں
میں سے اکثرت کو دیجے کرایا نہیں لاتا۔ وہ زیر الدین یا
بجورا ہے وہ کربت ہیر۔ شاید ان کی بیوی، اخند کی
گئی ہے پاہر شہ کی زادی سے ان سے کسی بھی اپھالی
پڑائی کی تیز کرنے کی صلاحیت جسمیں لیتے نہیں۔
ویش نے ان بچوں کی کسلتی حاصل کر لیتے
کہ، نکل مجھے خلرو بے اس تکہ کے پیچے جو بھی ہے اُو
ان پاؤں کو جاں سے مارنے کی کوشش ضرور کر لے گے۔
بس پیچے کی وجہ سے، لیس اس گروہ کو قابو میں کیاں
بے وہ ایک پودہ سال کا لازماً ہے صوبہ سرحد سے پہ
ان قبیل تیاۓ اور نئے کی حالت میں اپنے لیے گاک
تماش کر رہا تھا۔ تو میں کسیں ان بچوں سے ملوائی
ہوں۔"

رومی صہد فوراً "فرخند کے ہمراہ ان لڑکوں سے مٹے
انھی نئی بگروہیں ان کے چہرے ایک کے بعد ایک
ویکھتے ہوئے اسے احساں ہوا کہ یہ کس قدر مشکل کام
تھا۔

ان چہروں پر کیا کچھ نہیں تھا۔ بھوک، انہاں بجبر
یہ اغترست کرایت، مظلومیت سب تھا۔ اگر نہیں
تمکی تو معصومیت جو اس عمر کا امتیاز ہوتی ہے اسے
ان "بانی آنھوں" میں بھانکتے سے خوف آرنا تھا۔

"اور یہ گل شاہ۔ عمر جو یہ سال بگرنے کی زیادتی
اور جسم فردوسی نے جس کے اندر مزید چون دنوں کی
ذندگی بھی باتی نہیں رہنے لی۔"

وہ اس جودو کے آنکھیں کھم کنی۔ وہ بلا پتا لئے تباہ سا اور
لکھ کر میا کلے کاول ذوالا لار جامنڈ کے فرش پر کھینچ پڑے
موزت، تیز ہامیز حاسا پر اتحا، اس پا سرو پوار سے نکا
ہوا تھا۔ پتھر نہیں کوں روٹھھدا، کاہنڈتے کے جی چاہا کر
لہ اس کا چڑھو دیتے۔ حالانکہ اس سے پہلے چار چھرے
دکھ کر اس نے دل ہی دل میں سوچا قاتا کاش کر دیتے تھے اور
نیکھلی۔ تیر کر کر اس نے اپنے ہی نیکھل کر دھاہشات
کی سمجھیں کے لیے اس نے اپنے ہی نیکھل کر دھاہشات

کے نیکھل نی۔ "نہ امراء میں ہے
اوائیں حیان میں ہے اور اپنے بھائی میں زندگی
لی اگر بھائی مرتے ہاں مصطفیٰ نہیں بے اور نہیں
پڑتے۔ اور کافی ہے ایسا کہ ایسا نہیں تھا۔
اسے بست پڑا، اور ایسا تھا۔ اسے بھائی میں زندگی
آئے، لیکن اس لڑکے شاہزادے اسے پڑا۔ اسے
کارخانی جانتے کیا۔ وہ شیخ سے بندہ، ایسا نہیں تھا۔
راہ پڑاتے غمیں لب ساختے سے یعنی قلب
بھوپلیں۔ سہاں تاں اور اس کے جن میں اپر اپنی
ماں بھورا۔

"میں۔" رومی صہد کے مطہر سے کراہ نہیں اس
سے چند قدم اسکے پانی فرخندہ غشت کے ہیں تھے
"تم میں ہوئے۔ سیرت مل ملتے ہیں۔"
پانی سو روپیہ صاحب، صرف ایک تینیں اُنہوں
کروں کا صاحب۔ بس پانی سو روپیہ۔" لی بیوی بارا
تھا۔

"غل۔" وہ چلا انھی تھی۔

تھے تھے

وہ سل کے اس سخت مند ہو رہے تھے اور بھی
لکھ کر پا گفت خلن کی نظر غرس سے ستمیں تھیں کہ
اپنی نوکری خلرے میں نہیں ڈالنا پہبنتا تھا۔ نا، تھے لیہ
میں اس کا خاندان چار لا ہزار پے کام معمور تھا۔ ایسا
قرفہ جو نسلوں سے اترنے کا نام تھی نہیں لے رہا تھا۔
لکھ کر میا کلے کاول ذوالا لار جامنڈ کے فرش پر کھینچ پڑے
موزت، تیز ہامیز حاسا پر اتحا، اس پا سرو پوار سے نکا
ہوا تھا۔ پتھر نہیں کوں روٹھھدا، کاہنڈتے کے جی چاہا کر
لہ اس کا چڑھو دیتے۔ حالانکہ اس سے پہلے چار چھرے
دکھ کر اس نے دل ہی دل میں سوچا قاتا کاش کر دیتے تھے اور
نیکھلی۔ تیر کر کر اس نے اپنے ہی نیکھل کر دھاہشات

عین نہ بڑا، میر صن دست تاریخی قاتیں اور
بکے۔ تے تیر میں پڑھے تھے سر کاری افسوس اور
امیونز از لوو پر بیشتر کی مدد کرے اسی سکن خلی
تھے کے بعد اس کی سیاست کو، کوہ رید بیگ مدد کر کیا
و پیش کی کہ تو کب ای سکنا، رفت اسی سر قدر۔ کوہا
بیگ خسرو کی بیگ بیگ ہے وہ بخوبی سیکھ دیتا تھا
مردہ سری بعب میں سے سے بخوبی اور سخت بندہ والائی
اس کے تھوڑے کے شیوں اور اگر اکثر رفتے
تاریخ پر بگی کہ موادی کے دست اس کے
مرخے پینے اسی تے تھے کہ تو کہ دیا فراقد۔ می
پور میں کی وجہ سے پار پار بفت خان کے کرد پکر
مکت رو تو۔ جو اسے بخوبی سے اپنے دھیان
چھٹے تے بے مفت خان لے لئے کی دئی مقدار نہ
کو جرب بیگ تیڈھ میر اس کے نہن کی بڑی خطرہ تھے
شیدان اور پاک سر طبری موعن بولیں۔ وہ حق کو بخدا
پھر کے پتے وہ زرے تھے پیش تور دادا میں بھیجا
رہا۔ اسی دن سرطان بیج وہو شر سے بیگانہ کرنے کے
بے نیز تھے۔

مرغیوں مفت خان وجہ بہوت دب تک شہم
کے سے تھے اور بے بھی تھے بندھ بکار سر آیت
بیہہ اس کے سر تھے میں داریز میں رہتا تو اس کے
تھے کے بعد تو کوچھ ہے اسیں ہو جا، دوبل تک
بے موش پر قدم اور اسی کے تھے سے بنتے تھیں اور
تھے بہوت تھیں۔ تب بھی مشکل ہبھاتی۔ اس کی مل کے
وہ بیب تھے کے بعد اسے مفت خان کا غصہ بھی شروع
ہو جا۔ یہی تھی مفت خان اپنے بھائی مفت خان یاد
ہے۔ اس نے مفت خان کی اوسے فتن کر کے اسے
بلاستہ بولا رکھا۔ پیٹ پر لگتے تھے کہ مفت خان کے بھائی
وہ بیب تھے مفت خان اسی سے مفت خان اے
ایسے ایک ہستے دا۔ یہی تھے کہ مفت خان اے

کوچھ بڑا بڑے فوارہ ہوئے۔ تراز رکھتے ہم تھے /
میں سے جی سب سے سرحد پھاپت خانہ اس / رہ بھر عالیہ
ٹپیسوار لئے تھے کے باقت کوئی پھاپت خانہ اس / رہ بھر عالیہ
سافیں میں میں گفت شیخانوں کی بیوں کوئی کوئی نہ بنے کے

تہ بہت

"تم میرا بیچا چھوڑ کیں نہیں دیتے؟" شہزاد
پا اپنے تھا۔
"بہست بیویو۔ چلتے سے آئے دیں ہو گا۔" اس کے
اس کے کے ایسا ایسا بھنگ پڑ جائے گی اور ہو سال لے لے
کریں، تم سارے سانے کھرا ہوں مگر کے بھوں پا بھی۔
کی سوالی ہو گا۔ جب تک تم ہمچھے پوری بات دیں تھے۔
کے میں تم سارا بیچا شیش چھوڑوں گا۔"

"کیسی پوری بات؟ میں کہ دیں جانتا۔" اس نے
اشتی کر جاتے کی کوشش کی بھر جن نواز نہیں تھے اس
اس کا بازاں تمام کرائے۔ بار صونے پر گردایا۔

"سید میں میسرے سا الیں کاہدا بسندور میں
یہ بھول جاؤں گا کہ تم میرے بیٹے بھائی ہو۔"

"وہ تم بھول جائے ہو۔ بیٹے میں کہ رہا ہوں کہ
میں کہ نہیں جانتا ہوں ایں اوقت نہیں سے میرا سویرا سے
و تمدن کیں نہیں لیتے کیلئے نہیں کریں گے نیچ کریں ہو۔"

"میں تم ساری زبان سے ایک اخلاق کو نہیں تم ساری
کوئی خلاف کو مانتا ہوں یہ خوف خاہر کر رہا ہے کہ
تم اکرے اکثر کوئی حق چھپائے ہوئے ہو۔ ایک ایسا

شر کریں گے جو۔"

کوئی بھی رجسٹر سے فوارہ ہوئے۔ تراز رکھتے ہم تھے /
مجھے کوئی خوف نہیں ہے۔ میں کسی سے دیں ذرت۔"

ٹپیسوار لئے تھے کے باقت کوئی پھاپت خانہ اس / رہ بھر عالیہ
سافیں میں میں گفت شیخانوں کی بیوں کوئی کوئی نہ بنے کے

ہمیں میں آہیں؛ لیلے بچا۔ وہ ایکسہم لہذا
تھے۔ اور کیا تو نیہی۔ پر اے شدی کے کہ
فیض پریش رتیہ قدم تھے۔ کیوں کہا کے وہ
تپڑ پھین پڑتے تھے۔ نیا ہمیں بے کی کہ سے اونٹھے
والا آئے۔ ایک مقام پر سیسیں؟ کیا وہ سلسلہ میں
مکہ ہے؟ ملن، نول؛ بے تمہاری والگے تھے؟“
میرے حرستے سے برویہ نہیں کیا۔ ”شہزاد
نہ تنبلے میں لئے اونٹھے سرخہ ملا۔

تلن میں جلدتا ہوں۔ سے جانتے ہیں کہ پہلے
بت شق سے خلاف کے ہاں بھاگ کر جانے
وں۔ شہزاد نہیں ایک، سہی وہل جہاتر کر دیا تو۔
مر آخی ہار ہم اپنے اتر کے انتکان، بیٹے کے بعد
بھیں گزارنے والیں گئے تھے زراسی تھعنی کے بعد
پہنچنی سنبھال کر کیا سو برا کے ساتھ بونے والا عادی
ہم ایکی، نول؛ ہوا تباہا۔ یہ بھی معلوم کیا جاسکا ہے
کہ قل، ہے والے لڑکے سے تہرا اسیل ہوں خالی
ہیں؟“

ان دونوں نیزیں ملاقات اس سے ہوئی۔ سو راستے
نہیں بلکہ اس کی بڑی بمن سے۔ وہ صدقیں بھائی کی
رکھنے پاگیں۔ میں فارغ وقت اس وہل پر لزارنا
بھل میرے پرستاروں اور دوستوں کا۔ — کو
رہتا تھا۔ ایک من جب ہائلہ میں اکیا تھا۔ یہ بست
حسین نہ تھی، منفوہ بھی نہ تھی جسے دلیہ کر آپ نظریں
جھکایں یا تھے ایسیں۔ وہ ایسی لڑکی بھی نہ تھی نہ تھی
ہی مل میں پسند کرتے رہنے کے بیوہوں آپ اس سے
احسماں کرتے ہوئے ذریں یا جھکجاہیں ہو ایک ایک
لڑکی تھی جو آپ کو کہہ کر نہ پڑھنے، کہہ ہونے
اکساتی ہے۔ اس کی شوہنی اور تینی طمارتی نے عی
بھی اکسیا۔ مجھے موقع مایا کہ میں اپنے دوستوں پر
ثابت کروں کہ میں صرف باشی میں قشید ہتا آؤں بلکہ
حصہ میٹتا۔ لڑکوں کو کہمی میں کرتا جتنا ہوں۔ چھوٹی سی
غیر جھیکی ایسی جھیکی کچھ پوچھا ہو اور سب کا تھسا۔ میں جلد اس سے بے تکلف ہو گیا۔
وہ کا کر کر پاتھو ضمیح لیا۔ بست بر اکیا اس نے ورنہ میں پر
وہ کا کر کر پاتھو ضمیح لیا۔ میرے اندر جذبوں کی ترقی
میں یہیں دھمپیں ادا کر گئیں مسلمان تھے کہنے کے لئے ایک ایسی کسی
نے بھی لے۔ جن دوستوں کے سامنے میں ڈینگیں مار دیا تھا

”تیری تی سے دور کی سلام بدنی بھی نہیں تھی۔“
میدی سے کہ افواہ حق نواز کے لبیں پر ایک تھک
تمکہ۔ بھسی بھسی سی سڑا بیٹھ آگئی۔
”تی۔“ ہتھیہ ہم تھا اس جسمی کی۔“
شہزاد نواز ہوں پہاڑا؛ وا جیسے اب اس کپاس مزاجت
کرنے کرنے سکت ہو نہ ہتھیار۔“
”تیر۔“ میرا تین کرو، میں کوئی خاطر نہیں۔“
”تیری۔“ میں تیر۔“

”حق نواز حیاں سے اس کا الجھا بھاویان نہ گا۔
لر کر کر جتنی دہنی میں اس کر رکر رکر
”میں آخری بار بوری لا تباہ گیا تھا جسے میرا اتر کا
رہنمہ تھا۔“ لڑکوں میں تک موہار تھا جو بھکر
کے بھل بھی کر کر تھے اور میں ناٹھ کے چھوٹے بھل۔
جلد نکلے۔ تو خدا ایکی سکی۔ کن تھیں نہ علبائشیوں
میں لیریں دھمپیں ادا کر گئیں مسلمان تھے کہنے کے لئے ایک ایسی کسی

کر شش یا کرم اقد سمارا صد سے بھا، اذیک
 دن انہی نہیں پڑیں ۱۵ دن پر اسے لورم
 پارسے نہیں لے رہا امتحان کے سے سمارا
 اُن یاں کو تکمیر کر اصل تم امداد سل جب تک
 رہتے تھے مل اپنے مدن سے تحریکی نہیں
 دھنے کی شش کرتے رہتا اور سماں اور
 اپنی اور بزرگی کی شہزادی اب جب فرمائے
 سے دیجھ سے ہو کہ اس بے کوئی نہیں
 سے یعنی زندگی کی زاری سے گزاری اور اسی بہر
 آئندہ گزارنے والی بہت نہیں جن پر ہو کر
 پورے خالد ہیں۔ کیا کمزور چکی سے اب قلب پھرہ
 سے سکھ کر مر نجات نہیں راضی اور
 کے اس احساس گندہ سے تم کتنا چاہتا کے یہ
 نہ اعلان کرو کر تم نہ کہیں کیا۔ یہ بھی جوست
 ہو کر تم کیا کر سکتے ہو۔

”تمہیں کیا کروں۔ کیا کروں۔ ہو سیری ذات سے ہو
 داغ دھان جائے سیری مدن بھلی پسلکی ہو جائے تھا
 کراہ۔

”تمہیں کیا شہزادی ہو میں کرنے جبار اقد سے ذم
 نہیں ادا کرتا ہے اور اگر تم نے تو۔ آجے
 پڑھا۔ کبھی نہ پھٹو کے ہاں ہو یہ یوں۔
 لیے گئے میں ڈال لیے ہیں۔ اب تعلیم کی کیا اید
 صورت بھی نہ۔

”میں یا اس سے شہزادی کروں۔ اسی نہیں نہ
 کی۔ اب اپنی کیا سچیست یہ دنیا کیا کی۔

”اور نہیں۔ اس کے بدرے میں سچ نہ ہے۔
 اٹھکیز تکمیر کے ایک اندھام سے تمارے بارے نہ
 رہا۔ اسے کردا۔ میں۔ کبھی میں تھوڑے
 خاربا تھے۔ اڑیسہ عافی۔ میری میں تھا۔
 اٹھوڑے کر کے ہے۔ اس نے دل سے اے کہ
 تھا۔

کراہ
 قنواز سے سر اسے شو، ای بادی کی

اپنی کے مانتے، مجھے تپڑا رکھی۔ لگانے مجھے دل
 پیسے۔ اکیدا۔ اور لوٹ اس کی حصی بھن آہا
 بھدا۔ کے ابی، اون قلے آیا۔ ملکی کہ رہا۔ اس
 بھری کے اونکی نیت قلی۔ یہ پان، تیج، بھوپ، نثارا
 اور اپنی فرض سے ایسا کرہا تھا۔ ایک دین، بھوپ، نثارا
 قلے میں نہیں ہے۔ اسے مرت تک،
 اس کے بھرتو تھے تھے کے اس کے من میں پڑا فونیں
 کا قہہ میں بولی ملن پہن یہ اس نے ایک ایک
 قلے بھن جس سے بھرے ہو۔ ایلی بند بات بھر کے
 میں اس کا ساتھ دینے لگا۔ مر اس بھی کلمہ میں
 بھیں ہو۔ اس میں کامنے کے پیٹے سا پہنچا۔ میں
 میں۔ ”شی میں ایسا۔ مجھے اسے آپ سے محن
 لئے بھجے۔ اس پنچا کی جگہ فوزی نظر آئی۔ میں
 نے قلی، بیت الاجو اس وقت ورنہ ان رہا تھا۔
 میرے قہہ میں نے آیا۔ میں وہاں سے بھاک نہ۔
 راست میں صدقیں جعلی میں تھے تا انسیں واہیں کامنا کر
 دیو۔ اور اور ساول سے میرے مل سے
 یہ ملن دیں بنتا۔ چوتھے انسیں باتا۔ ”اش۔ کاش
 میں سے قلی، اب دکاہ، آجس وہ اس پنچی وہ بمانے
 سے اندر لے رہا تھا۔

”اٹس میں صدقیں جعلی کو لے کر قلی کی دکان تک
 امنی پڑا جانا۔ اس پنچا نے بھایا۔

”اش۔ ”اش۔ میرے رامیں کو حق نواز اسی نے
 دو نہیں بیا۔ نے میرا را وہ تب اس پنچا پر ناط نکاہ
 لائے تھا۔ ”یعنی میں اسے اندر لانا جانتا تھا۔ بل پنڈ
 بی بڑے دبے والے نہیں میں نکل فخر کاظماں
 لکھ کر ملے اس نہیں۔ میں کبھی بھر لکھنے لایا تھا۔ میرے بھکتو
 میں اسی پیغمبر۔ نے۔ ”مشکل اور دعا، ایسا ایک
 اپنے قلب۔ ”خانے دیا۔ ”کہا وہ، ”میں پار مالی
 کے قلک اندا۔

”پار مالی نہیں شہزادی کی غیر ایک ایک تھا۔ کس کر
 اکثر تمارے فیر بھولی طرز تمل کی وجہ عالم۔

کہ میں پرستی کر رہا تھا اور اسے اپنے دل میں
کوئی سچی بات تصور کر سکتا تھا۔ اسی میں
میں اپنے دل میں اپنے دل میں اپنے دل میں
کوئی سچی بات تصور کر سکتا تھا۔ اسی میں
میں اپنے دل میں اپنے دل میں اپنے دل میں
کوئی سچی بات تصور کر سکتا تھا۔ اسی میں

تھی مگر اس میں تھی کہ میں اپنے دل میں
کوئی ایسا بھروسہ نہیں کر سکتا تھا کہ میں اس
کو اپنے دل میں تصور کر سکتا تھا۔ اسی کی وجہ سے
میں اپنے دل میں اپنے دل میں اپنے دل میں

کہ میں اس میں تھی کہ میں اپنے دل میں
کوئی سچی بات تصور کر سکتا تھا۔ اسی کی وجہ سے
میں اپنے دل میں اپنے دل میں اپنے دل میں
کوئی سچی بات تصور کر سکتا تھا۔ اسی کی وجہ سے
میں اپنے دل میں اپنے دل میں اپنے دل میں
کوئی سچی بات تصور کر سکتا تھا۔ اسی کی وجہ سے

بلوچیں۔
بلوچیں کے لئے بھکرنا باب اپنی تاریخ کے
اویں شہر میں آئی جانے سے ٹھنڈا کرنا لے چکیں میں
تھے اور سیرا بیٹاں کی بھکرنا باب میں دو قوت دلتہ
ذرا بڑی بڑی دین کا کام۔ پہلی خلابت دلہان
تھے لیے فرمائے جانشی عورت عقیلہ کی تھے اور ان
مشتمل تھے جو اون۔ قلمبکریا میں تھے۔ بھکر ملکر کر رکھا
تھا۔ جن کے عین با غصب کے آئے ان
کے قریب ملے گئے دینیں کوئی نہیں۔ اسی سے اتفاق نہ ہوا۔ اسی سے
نہ ہوا۔ اسی دین کے دینیں کوئی نہیں۔ اسی سے اتفاق نہ ہوا۔ اسی سے
نہ ہوا۔ اسی دین کے دینیں کوئی نہیں۔ اسی سے اتفاق نہ ہوا۔ اسی سے
نہ ہوا۔ اسی دین کے دینیں کوئی نہیں۔ اسی سے اتفاق نہ ہوا۔ اسی سے

بے ایں تو ہندو میں نہ ملتے۔ مگر فیض

تیر کی تھیں تو میں اپنے بھائی کے نام سے جانے آئے۔

کل دنہاری میں تو اپنے بھائی کا خداوند فخری میں کیا تھا۔

پہنچنے والے میں میں بھائی رہت تھے۔

میرے دل میں اپنے بھائی کی سماتیوں میں کیا تھا۔

سینے پر میں اپنے بھائی کی شرمیں کی تھیں اور اپنے بھائی کی رہائش میں کیا تھا۔

وہ بھائی کی وجہ سے بھائی کی دلخواہ میں میں کیا تھا۔

تھیں اپنے بھائی کی دلخواہ میں کیا تھا۔

بڑی ایسا ایسا۔ اس سے سب کی شرمیں اور اپنے بھائی کی دلخواہ میں کیا تھا۔

کیا تھا۔ اس سے سب کی شرمیں اور اپنے بھائی کی دلخواہ میں کیا تھا۔

کیا تھا۔ اس سے سب کی شرمیں اور اپنے بھائی کی دلخواہ میں کیا تھا۔

کیا تھا۔ اس سے سب کی شرمیں اور اپنے بھائی کی دلخواہ میں کیا تھا۔

کیا تھا۔ اس سے سب کی شرمیں اور اپنے بھائی کی دلخواہ میں کیا تھا۔

کیا تھا۔ اس سے سب کی شرمیں اور اپنے بھائی کی دلخواہ میں کیا تھا۔

کیا تھا۔ اس سے سب کی شرمیں اور اپنے بھائی کی دلخواہ میں کیا تھا۔

کیا تھا۔ اس سے سب کی شرمیں اور اپنے بھائی کی دلخواہ میں کیا تھا۔

کیا تھا۔ اس سے سب کی شرمیں اور اپنے بھائی کی دلخواہ میں کیا تھا۔

کیا تھا۔ اس سے سب کی شرمیں اور اپنے بھائی کی دلخواہ میں کیا تھا۔

فیض کی تھی مہماں کی تھی اور اپنے بھائی کی تھی۔

”بے کل لیوں نے اپنے بھائی کے نام سے جانے آئے۔“

”بے کل لیوں کے نام سے جانے آئے۔“

لارکر سکر کر کر لارکر سکر کر کر لارکر سکر کر کر لارکر سکر کر کر لارکر سکر کر کر

لارکر سکر کر کر لارکر سکر کر کر لارکر سکر کر کر لارکر سکر کر کر لارکر سکر کر کر

لارکر سکر کر کر لارکر سکر کر کر لارکر سکر کر کر لارکر سکر کر کر لارکر سکر کر کر

دوں سے کہا۔ میں سل غریب نواز میں اے
عمر سے بڑا۔ پہنچوں یاد ہو سکتے
میرا آنکھیں اس سیمہ۔ اُنیں طبیعت
میں سی دھنی۔ اُنیں میں نہ خود تھے اور میں
کیم جائیدادیں اپنے۔ اسے بھی منصب طالب
بھی جائیدادیں اپنے۔ میرا اور قرآن۔ امیت ہم ہے ہمے۔
بیرا۔ متنی مورہ۔ قندیلے ہے۔ اُنیں حال یہ ہے۔ شے۔
ارجمند فرار۔ انقلابیں میں ایک ایسیں مدت زیادہ
نہ میں کی مدحت سمجھل جائے۔ جد میں آنکھ
تمہیں لے کر سچہ میتوں۔

”میک بے۔“ ایک بار تم نے میری بات ملنے تھی
میں تماری ملائی دوں۔“
”میں نے تماری بات؟“
”میں سیرا سے شایدی کی بات۔“ مجھے بت دشی
میں تھی۔ یہ جان رہ آئی۔“ دون آیا تھا مجھے۔“
”میں وہ سب۔“ وہ مل کے بنا۔

”وایک جرب تھا۔ سو را سے شلوذی ضرور بھری
نے میرینی نہیں شلدواز کی۔ اُنکے سنتے سادگی سے
وہ سوچ کر بت دیں کہ دعوت نہ کل۔ تک چیز جائے
گی۔“

میں نے رامیصہ۔ یہ ظاہر کیا جیسے اس نے سو را
۔ نہیں نے دشوش شلدواز کو اکسانے کے لیے

”امید رکھ لیو۔“ اسی شکریے کر رکھی سکر رکھا۔ ایک سر کی
صھٹے۔ اسی صھٹے نے دست لبرداز میں ”ازید رکھا۔“ اسی کی وجہ سے اسی کے
لہجہ کی دلیل ہے۔ (ایک ملکیہ ملکیہ اکابر بگس دیکھ رکھا۔) اسی کے لیے
ذہن کی رامیصہ۔ امداد میں شہری
رکھا۔ اسی کے لئے رکھا۔ اسی کے لئے رکھا۔